برائے نصاب ثانویہ عامہ طالبات

تنظیم المدارس (اہلسنت) پاکستان

خلفائے راشدین

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تالیف:

علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی



مہوش
جاوید ا

برائے نصاب ثانویہ عامہ طالبات
تنظیم المدارس (اہل سنّت) پاکستان

خلفائے راشدین

تالیف

علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی

شبیر برادرز

40 اُردو بازار (زبیدہ سنٹر) لاہور

اَللهُ رَبُّ مُحَمَّدٍ صَلّٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَا
نَحْنُ عِبَادُ مُحَمَّدٍ صَلّٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَا

نام کتاب	--------	**خلفائے راشدین**
تالیف	--------	علامہ مفتی محمد جلال الدین احمد امجدی
صفحات	--------	۱۳۶
کمپوزنگ	--------	**ورڈزمیکر**
سرِورق	--------	باھوگرافکس لاہور
اشاعت	--------	مئی ۲۰۰۵ء
مطبع	--------	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
ناشر	--------	شبیر برادرز لاہور
ہدیہ	--------	40روپے

ملنے کا پتا

شبیر برادرز

40 اُردو بازار (زبیدہ سنٹر) لاہور

فہرست مضامین

امیر المؤمنین

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ایک باکمال اُستاد کہ جو بہت سی خوبیوں کا جامع ہوتا ہے۔ اپنے جس شاگرد میں جس خوبی کی ممتاز صلاحیت پاتا ہے اسی خوبی میں اس کو باکمال بناتا ہے۔ جس میں فقیہ بننے کی زیادہ صلاحیت پاتا ہے اِسے فقیہ بناتا ہے، جس میں مقرر بننے کی صلاحیت واضح ہوتی ہے اسے کامیاب مقرر بناتا ہے اور جس میں مصنف بننے کی صلاحیت غالب ہوتی ہے اسے باکمال مصنف ہی بناتا ہے تو ہمارے آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جس صحابی میں جس خوبی کی ممتاز صلاحیت پائی اسی وصف خاص میں اسے کامل بنایا۔ لہٰذا اپنے پیارے صحابی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں صدیق بننے کی صلاحیت کو واضح طور پر محسوس فرمایا تو اسی وصف میں ان کو ممتاز و کامل بنایا اور صدیق ہونا ایسا وصف ہے جو بہت سی خوبیوں کا جامع ہے اور اس وصف خاص کے سب سے زیادہ مستحق صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی تھی اسی لئے وہ اس سے سرفراز فرمائے گئے۔

اصدق الصادقیں سید المتقیں چشم و گوشِ وزارت پہ لاکھوں سلام

آپ کی خلافت

آقائے دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ ان کا نائب اور خلیفہ کس کو مقرر کیا جائے؟...... حدیث شریف کی مشہور کتاب سنن بیہقی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خلافت کے معاملہ کو حل کرنے کیلئے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضرت سعید بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے مکان میں جمع ہوئے۔ جن میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور دوسرے بہت سے

اجلہ صحابہ موجود تھے۔

سب سے پہلے ایک انصاری کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے لوگوں سے اس طرح خطاب کیا کہ اے مہاجرین! آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ حضرات میں سے کسی شخص کو کہیں کا عامل مقرر فرماتے تھے تو انصار میں سے بھی ایک شخص کو اس کے ساتھ کر دیا کرتے تھے۔ لہٰذا اسی طرح ہم چاہتے ہیں کہ خلافت کے معاملہ میں بھی ایک شخص مہاجرین میں سے ہو اور ایک انصار میں سے ہو۔ پھر ایک دوسرے انصاری کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے بھی اسی قسم کی تقریر فرمائی۔

ان لوگوں کی تقریروں کے بعد حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے فرمایا۔ حضرات! کیا آپ لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین میں سے تھے۔ لہٰذا ان کا نائب اور خلیفہ بھی مہاجرین ہی میں سے ہوگا اور جس طرح ہم لوگ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاون و مددگار رہے اب اسی طرح خلیفۂ رسول اللہ کے مددگار رہیں گے۔ یہ فرمانے کے بعد اُنہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ اب یہ تمہارے والی ہیں اور پھر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے آپ سے بیعت کی۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور پھر تمام انصار و مہاجرین نے آپ سے بیعت کی۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ منبر پر رونق افروز ہوئے اور ایک نگاہ ڈالی تو اس مجمع میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا۔ فرمایا کہ ان کو بلایا جائے۔ جب حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ آپ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے صاجزادے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص صحابیوں میں سے ہیں مجھے اُمید ہے کہ آپ مسلمانوں میں اختلاف نہیں پیدا ہونے دیں گے۔ یہ سن کر اُنہوں نے کہا کہ اے خلیفۂ رسول اللہ! آپ کوئی فکر نہ کریں یہ کہنے کے بعد کھڑے ہوئے اور آپ سے بیعت کر لی۔

پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجمع پر ایک نظر ڈالی تو اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے فرمایا کہ علی بھی نہیں ہیں۔ ان کو بھی بلایا جائے۔ جب حضرت علی رضی اللہ

عنہ تشریف لائے تو آپ نے فرمایا کہ ابوطالب کے صاجزادے! آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اوران کے داماد ہیں مجھے اُمید ہے کہ آپ اسلام کو کمزور ہونے سے بچانے میں ہماری مدد کریں گے۔اُنہوں نے بھی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی طرح کہا کہ اے خلیفۂ رسول! آپ کچھ فکر نہ کریں۔ یہ کہہ کر اُنہوں نے بھی بیعت کر لی۔ (تاریخ الخلفاء) اور مدارج النبوۃ میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا قَدَّمَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم فَمَنِ الَّذِیْ یُؤَخِّرُكَ ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو آگے بڑھایا تو پھر کون شخص آپ کو پیچھے کرسکتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس فرمان میں اس واقعہ کی جانب اشارہ ہے جو سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی علالت کے زمانے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھایا اور آپ ہی کو تمام صحابہ کا امام بنایا۔ یہاں تک کہ ابن زمعہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم فرمایا کہ وہ ابوبکر کے پیچھے نماز پڑھیں۔ مگر اتفاق سے اس وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ موجود نہ تھے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے تاکہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا لَا لَا یَابَى اللّٰهُ وَالْمُسْلِمُوْنَ اِلَّا اَبَابَکْرٍ یُصَلِّی بِالنَّاسِ اَبُوْبَکْرٌ ۔ یعنی نہیں۔نہیں۔نہیں۔اللہ اور مسلمان ابوبکر ہی سے راضی ہیں وہی لوگوں کو نماز پڑھائیں گے۔ (تاریخ الخلفاء، ص۴۳)

بہر حال اس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو متفقہ طور پر خلیفہ تسلیم کرلیا گیا اور کسی نے اختلاف نہیں کیا اور اللہ کے محبوب دانائے خفایا وغیوب جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان حرف بحرف صحیح ہوا کہ میرے بعد خلافت کے بارے میں خدائے تعالیٰ اور مومنین ابوبکر کے علاوہ کسی کو قبول نہ کریں گے......اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کیوں نہ صحیح ہو کہ وہ اللہ کے پیارے محبوب ہیں ندی کا بہتا ہوا دھارا رُک سکتا ہے، درخت اپنی جگہ سے کھسک سکتا ہے بلکہ پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل سکتا ہے مگر اللہ کے پیارے محبوب کا فرمان نہیں ٹل سکتا۔

آپ کی خلافت پر آیات قرآنی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا استدلال علمائے کرام کی ایک جماعت

نے اس آیت کریمہ سے کیا ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍ ﴿اے ایمان والو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو عنقریب اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے ہیں اور اللہ ان کا پیارا ہے۔ وہ لوگ مسلمانوں پر نرم ہوں گے اور کافروں پر سخت۔ اللہ کی راہ میں وہ لوگ جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے﴾۔ (پ ۶ ع ۱۲)

مفسرین کرام اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ قوم سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب کچھ عرب اسلام سے برگشتہ ہو گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب ہی نے مرتدوں سے جہاد کیا اور پھر ان کو مسلمان بنایا...... اور حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال فرمانے کے بعد جب عرب کے کچھ لوگ مرتد ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال فرمایا تو اس زمانہ میں ہم لوگ آپس میں کہا کرتے تھے کہ آیت کریمہ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور انکے اصحاب ہی کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

اور پ ۲۶ ع ۱۰ میں ہے قُلْ لِّلْمُخَلَّفِیْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ یُسْلِمُوْنَ ﴿ترجمہ: یعنی ان گنواروں سے فرماؤ جو کہ پیچھے رہ گئے کہ عنقریب تم ایک سخت لڑائی والی قوم کی طرف بلائے جاؤ گے کہ ان سے لڑو یا وہ مسلمان ہو جائیں﴾

حضرت صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ والرضوان اس آیت کریمہ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں جن سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جنگ فرمائی اور ایسا ہی طبرانی میں زہری سے مروی ہے...... اسی لئے حضرت ابن ابی حاتم اور ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر حجت اور واضح دلیل ہے اس لئے کہ آپ ہی نے مرتدوں سے قتال کی طرف دعوت دی۔

اور حضرت شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوعباس بن شرح کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت قرآن کریم کی اس آیت سے ثابت ہے اس لئے کہ تمام علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بعد جن لوگوں نے کہ زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کردیا یعنی اس کی فرضیت کے منکر ہوگئے تھے اور جو لوگ کہ مرتد ہوگئے تھے صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو ان سے قتال کی دعوت دی اور ان سے جنگ کی۔ لہٰذا یہ آیت کریمہ آپ کی خلافت پر دلالت کرتی ہے اور آپ کی اطاعت کو لوگوں پر فرض کرتی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت مبارکہ کے آخر میں واضح الفاظ کے ساتھ فرمادیا ہے کہ جو کوئی اس کو نہیں مانے گا وہ دردناک عذاب میں مبتلا ہوگا۔

افضلُ البَشر بَعْدُ الانبیاء

١٩ علمائے اہلسنّت و جماعت کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام لوگوں میں سب سے افضل ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلَا غَرَبَتْ عَلٰی اَحَدٍ اَفْضَلُ مِنْ اَبِیْ بَکْرٍ اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ نَبِیًّا ۔ یعنی سوائے نبی کے اور کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس پر آفتاب طلوع اور غروب ہوا ہو اور وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ہو۔ مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں نبی کے بعد ان سے افضل کوئی پیدا نہیں ہوا اور ایک دوسری حدیث میں آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا اَبُوْ بَکْرِ الصِّدِّیْقُ خَیْرُ النَّاسِ اِلَّا اَنْ یَکُوْنَ نَبِیًّا ۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں میں سب سے بہتر ہیں علاوہ اسکے کہ وہ نبی نہیں ہیں۔

ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا حضور دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل الناس یعنی لوگوں میں سب سے افضل ہیں۔ اگر کسی نے اس کے خلاف کہا تو وہ مفتری اور کذاب ہے۔ اس کو وہ سزا دی جائے گی جو افترا پردازوں کیلئے شریعت نے مقرر کی ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں خَیْرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ بَعْدَ نَبِیِّھَا اَبُوْبَکْرٍ وَّعُمَرُ ۔

یعنی اس اُمت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ علامہ ذہبی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول ان سے تواتر کے ساتھ مروی ہے۔ (تاریخ الخلفاء، ص ۳۱)

اور بخاری شریف میں ہے کہ حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگوں میں کون سب سے افضل ہے قال ابو بکر فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ پھر ان کے بعد؟ قال عُمَرُ فرمایا کہ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں۔ حضرت محمد بن حنفیہ فرماتے ہیں خَشِیْتُ اَنْ یَّقُوْلَ عُثْمَانُ ۔ یعنی میں ڈرا کہ اب اس کے بعد آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام لیں گے تو میں نے کہا کہ اس کے بعد آپ سب سے افضل ھیں قَالَ مَا اَنَا اِلَّا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تو مسلمانوں میں سے ایک آدمی ہوں۔ یعنی از راہ انکساری فرمایا کہ میں ایک معمولی مسلمان ہوں۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۵)

اور بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں ہم لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔ یعنی وہی سب سے افضل و بہتر قرار دیئے جاتے تھے۔ پھر حضرت عمر کو اور ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد ہم صحابۂ کرام کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے تھے اور ان کے درمیان کسی کو فضیلت نہیں دیتے تھے۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۵)

اور حضرت ابو منصور بغدادی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس بات پر اُمت مسلمہ کا اجماع اور اتفاق ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور پھر عشرۂ مبشرہ کے باقی حضرات سب سے افضل ہیں۔ ان کے بعد باقی اصحاب بدر پھر باقی اصحاب اُحد اور ان کے بعد بیعت الرضوان کے صحابہ پھر دیگر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں سے افضل ہیں۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت صدیق اکبر اور آیات قرآنی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف و توصیف میں قرآن مجید کی بہت سی آیات کریمہ نازل ہوئی ہیں۔ یہاں تک کہ بہت سے بزرگوں نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ ہم ان میں سے چند آیات کریمہ آپ لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

خدائے عزوجل ارشاد فرماتا ہے وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِہٖ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْن ۔ یہ آیات مبارکہ چوبیسویں پارہ کے پہلے رکوع کی ہے اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ جو سچائی لایا یعنی سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور جنہوں نے ان کی تصدیق کی یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہی لوگ متقی ہیں۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایسے ہی مروی ہے یعنی اَلَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ سے مراد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور صَدَّقَ سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے حضور کی تصدیق کی۔ ایسا ہی تفسیر مدارک میں بھی ہے اور اسی کو حضرت امام رازی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ترجیح دی ہے اور تفسیر روح البیان نے بھی۔ لہٰذا ان مفسرین کرام کے بیان سے ثابت ہوا کہ خدائے عزوجل نے اس آیت مبارکہ میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی متقی فرمایا ہے...... معلوم ہوا کہ وہ اس امت کے سب سے پہلے متقی ہیں اور قیامت تک پیدا ہونے والے سارے متقیوں کے سردار اور سیّد المتقین ہیں۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں۔

اصدق الصادقیں سیّد المتقیں چشم و گوش و زارت پہ لاکھوں سلام

اور (پ۱۰ ع۱۱) میں ہے: اِلَّا تَنْصُرُوْہُ فَقَدْ نَصَرَہُ اللّٰہُ اِذْ اَخْرَجَہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ثَانِیَ اثْنَیْنِ اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ج فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا وَجَعَلَ کَلِمَۃَ الَّذِیْنَ کَفَرُوا السُّفْلٰی ط وَکَلِمَۃُ اللّٰہِ ھِیَ الْعُلْیَا ط وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۔

تمام مفسرین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اب اس آیت کریمہ کا مطلب ملاحظہ فرمائیں۔

خدائے عزوجل ارشاد فرماتا ہے......اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْهُمَا فِي الْغَارِ ۔ یعنی اے مسلمانو! اگر تم لوگ میرے رسول کی مدد نہ کرو تو بے شک اللہ نے ان کی مدد فرمائی جب کافروں کی شرارت سے انہیں باہر تشریف لے جانا ہوا صرف دو جان سے جب وہ دونوں یعنی حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار میں تھے۔اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ جب رسول اپنے یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرماتے تھے کہ غم نہ کر بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا ......تو اللہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اپنا سکینہ اُتارا۔یعنی ان کے دل کو اطمینان عطا فرمایا اور ایسی فوجوں سے اُن کی مدد فرمائی جن کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا اور وہ ملائکہ تھے جنہوں نے کفار کے رُخ پھیر دیئے یہاں تک کہ وہ لوگ آپ کو دیکھ ہی نہ سکے۔وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۚ اور کافروں کی بات کو نیچے کر دی۔یعنی ان کی دعوت کفر وشرک کو پست کر دیا۔وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۚ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۔ اور اللہ ہی کا بول بالا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں جو آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا یعنی غم مت کرو کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔تو اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنا غم نہیں تھا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غم تھا۔آپ فرماتے تھے اِنْ اُقْتَلْ فَاَنَا رَجُلٌ وَّاحِدٌ وَاِنْ قُتِلْتَ هَلَكَتِ الْاُمَّةُ ۔ یعنی اگر میں قتل کر دیا گیا تو صرف ایک فرد ہلاک ہوگا اور اے اللہ کے رسول! اگر آپ قتل کر دیئے گئے تو پوری اُمت ہلاک ہو جائیگی۔

بہر حال یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف وتوصیف میں بالکل واضح ہے اور آپ کے صحابی ہونے پر ''نص قطعی'' ہے کہ خدائے عزوجل نے اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ فرمایا۔اسی لئے حضرت حسین بن فضل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مَنْ قَالَ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ لَّمْ يَكُنْ صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ كَافِرٌ لِاِنْكَارِهٖ نَصَّ الْقُرْاٰنِ ۔ یعنی جو شخص کہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی نہیں

تھے تو وہ ''نص قرآنی'' کا انکار کرنے کے سبب کافر ہے۔

اور تیسویں پارہ سورۃ والیل کی آیت کریمہ (نمبر ۱۷،۱۸) ہے وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۔ یعنی اور جہنم سے بہت دُور رکھا جائے گا وہ شخص جو کہ سب سے بڑا پرہیز گار ہے جو کہ اپنا مال دیتا ہے خدائے تعالیٰ کے نزدیک ستھرا ہونے کیلئے۔ نہ کہ دکھانے اور ستانے یا ان کے علاوہ کسی دوسرے مقصد کیلئے خرچ کرتا ہے۔

یہ آیت مبارکہ بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں نازل ہوئی ہے۔ حضرت صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بہت گراں قیمت پر خرید کر آزاد کر دیا تو کفار کو حیرت ہوئی اور اُنہوں نے کہا کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ایسا کیوں کیا۔ شاید بلال رضی اللہ عنہ کا ان پر کوئی احسان ہوگا جو اُنہوں نے اتنی گراں قیمت دے کر خریدا اور آزاد کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ظاہر فرما دیا گیا کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ فعل محض اللہ کی رضا کیلئے ہے کسی کے احسان کا بدلہ نہیں اور نہ ہی ان پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ وغیرہ کا کوئی احسان ہے۔

اس آیت کریمہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ''اَتْقٰى'' یعنی سب سے بڑا پرہیز گار فرمایا گیا اور (پ ۲۶ ع ۱۴) کی آیت مبارکہ ہے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۔ یعنی بے شک اللہ کے یہاں تم میں سب سے زیادہ مکرم اور عزت والا وہ ہے جو سب سے بڑا پرہیز گار ہے..... تو ان دونوں آیات کریمہ کے ملانے سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خدائے عزوجل کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم اور عزت والے ہیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور احادیث کریمہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور ان کی عظمت کے اظہار میں بہت سے حدیثیں وارد ہیں۔ ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَا نَفَعَنِىْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِىْ مَالُ اَبِىْ بَكْرٍ ۔ یعنی کسی شخص کے مال نے مجھ کو اتنا فائدہ نہیں پہنچایا جتنا فائدہ کہ ابوبکر کے مال نے پہنچایا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۵)

اور یہ حدیث شریف بھی ترمذی میں ہے کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کُنْتُ صَاحِبِیْ فِی الْغَارِ وَصَاحِبِیْ عَلَی الْحَوْضِ یعنی غارِ ثور میں تم میرے ساتھ رہے اور حوضِ کوثر پر بھی تم میرے ساتھ رہو گے۔

اور ترمذی شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میرے والد گرامی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور نے فرمایا اَنْتَ عَتِیْقُ اللّٰہِ مِنَ النَّارِ یعنی تجھے اللہ نے جہنم کی آگ سے آزاد کر دیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اسی روز سے میرے والد محترم کا نام عتیق پڑ گیا۔ (مشکوٰۃ شریف، ص ۵۵۶)

اور ابوداؤد شریف کی حدیث ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہیں فرمایا اَمَا اِنَّکَ یَا اَبَا بَکْرٍ اَوَّلُ مَنْ یَّدْخُلُ الْجَنَّۃَ مِنْ اُمَّتِیْ یعنی اے ابوبکر سن لو میری اُمت میں سب سے پہلے تم جنت میں داخل ہو گے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک چاندنی رات میں جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک میری گود میں تھا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کسی شخص کی نیکیاں اتنی بھی ہیں جتنی کہ آسمان پر ستارے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ عمر کی نیکیاں اتنی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر میں نے پوچھا اور ابوبکر کی نیکیوں کا کیا حال ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمر کی ساری عمر کی نیکیاں ابوبکر کی ایک نیکی کے برابر ہیں۔ رضی اللہ عنہما (مشکوٰۃ شریف، ص ۵۶۰)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حُبُّ اَبِیْ بَکْرٍ وَشُکْرُہٗ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ اُمَّتِیْ ۔ یعنی ابوبکر سے محبت کرنا اور ان کا شکر ادا کرنا میری پوری اُمت پر واجب ہے۔ (تاریخ الخلفاء، ص ۴۰)

اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور سلام کے بعد اُنہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے اور عمر بن خطاب کے درمیان کچھ باتیں ہو

گئیں پھر میں نے نادم ہوکران سے معذرت طلب کی لیکن اُنہوں نے معذرت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ سن کر حضور نے تین بار ارشاد فرمایا کہ اے ابوبکر اللہ تعالیٰ تم کو معاف فرمائے۔

تھوڑی دیر کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حضور کی بارگاہ میں آ گئے۔ان کو دیکھتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس کا رنگ بدل گیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رنجیدہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوزانو بیٹھے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول میں ان سے زیادہ قصوروار ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔اِنَّ اللّٰہَ بَعَثَنِیْ اِلَیْکُمْ فَقُلْتُمْ کَذَبْتَ وَقَالَ اَبُوْ بَکْرٍ صَدَقْتَ وَ وَاسَانِیْ بِنَفْسِہٖ وَمَالِہٖ فَھَلْ اَنْتُمْ تَارِ کُوْنِیْ صَاحِبِیْ ۔ یعنی جب اللہ نے مجھے تمہاری جانب مبعوث فرمایا تو تم لوگوں نے مجھے جھٹلایا مگر ابوبکر نے میری تصدیق کی اور اپنی جان و مال سے میری غمخواری و مدد کی۔تو کیا آج تم لوگ میرے ایسے دوست کو چھوڑ دو گے؟...... اور اس جملہ کو حضور نے دو بار فرمایا۔(تاریخ الخلفاء، ص ۳۷)

اور حضرت مقدام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حضرت عقیل بن ابی طالب نے کچھ سخت کلامی کی مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرابت داری کا خیال کرتے ہوئے حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کو کچھ نہیں کہا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پورا واقعہ بیان کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پورا ماجرہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں کھڑے ہوئے اور فرمایا اَلَا تَدَعُوْنَ لِیْ صَاحِبِیْ مَا شَانُکُمْ وَشَانُہٗ فَوَاللّٰہِ مَا مِنْکُمْ رَجُلٌ اِلَّا عَلٰی بَابِ بَیْتِہٖ ظُلْمَۃٌ اِلَّا بَابُ اَبِیْ بَکْرٍ فَاِنَّ عَلٰی بَابِہٖ النُّوْرُ فَوَاللّٰہِ لَقَدْ قُلْتُمْ کَذَبْتَ وَقَالَ اَبُوْ بَکْرٍ صَدَقْتَ وَ اَمْسَکْتُمُ الْاَمْوَالَ وَ جَادَلِیْ بِمَالِہٖ وَ خَذَلْتُمُوْنِیْ وَوَاسَانِیْ وَ اتَّبَعَنِیْ ۔ یعنی اے لوگو! سن لو۔ میرے دوست کو میرے لئے چھوڑ دو۔تمہاری حیثیت کیا ہے؟ اور ان کی حیثیت کیا ہے؟ تمہیں کچھ معلوم ہے؟ خدا کی قسم تم لوگوں کے دروازوں پر اندھیرا ہے مگر ابوبکر کے دروازہ پر نور کی بارش ہو رہی ہے۔خدائے ذوالجلال کی قسم تم لوگوں نے مجھے جھٹلایا اور ابوبکر نے میری تصدیق کی۔تم لوگوں نے مال خرچ کرنے میں بخل سے کام لیا۔ابوبکر

نے میرے لئے اپنا مال خرچ کیا اور تم لوگوں نے میری مدد نہیں کی مگر ابوبکر نے میری غمخواری کی اور میری اتباع کی۔ (تاریخ الخلفاء، ص ۳۷)

اور مشکوٰۃ شریف، ص ۵۵۶ میں ہے کہ ایک روز حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا گیا ہو تو وہ رونے لگے اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری زمانہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک دن رات میں جو عمل اور بہترین کام کئے ہیں کاش کہ میری پوری زندگی کا عمل ان کی ایک رات کے عمل کے برابر ہوتا۔ ان کی ایک رات کا عمل تو یہ ہے کہ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی رات غارِ ثور پر پہنچے (جو تقریباً ڈھائی کلومیٹر بلند ہے) تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا وَاللّٰهِ لَا تَدْخُلُهُ حَتّٰى اَدْخُلَ قَبْلَكَ ۔ یعنی قسم خدا کی آپ غار میں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ آپ سے پہلے میں نہ داخل ہو جاؤں تا کہ اگر کوئی موذی چیز سانپ وغیرہ ہو تو اس سے تکلیف مجھی کو پہنچے اور آپ محفوظ رہیں۔ پھر آپ غار کے اندر داخل ہوئے اور اس کو خوب صاف کیا اور جب غار کے اندر ان کو کچھ سوراخ نظر آئے تو ان کو اُنہوں نے اپنی لنگی میں سے کپڑا پھاڑ کر بھر دیا اور دو سوراخوں پر اُنہوں نے اپنی ایڑیاں لگا دیں۔ اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اب آپ اندر تشریف لائیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غار کے اندر تشریف لے گئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گود میں سر رکھ کر سو گئے۔ ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم آرام ہی فرما رہے تھے کہ اسی حالت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پاؤں میں سوراخ کے اندر سانپ نے کاٹ لیا مگر آپ نے حرکت نہیں کی اور اسی طرح بیٹھے رہے۔ اس لئے کہ کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ نہ کھل جائے لیکن سانپ کے زہر کی انتہائی تکلیف کے سبب آپ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر گرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھل گئی اور آپ سے دریافت فرمایا ابوبکر کیا ہوا قَالَ لُدِغْتُ فِدَاكَ اَبِیْ وَ اُمِّیْ عرض کیا اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں مجھ کو سانپ نے کاٹ لیا ہے حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے زخم پر اپنا لعاب دہن لگا دیا تو فوراً ان کی تکلیف جاتی رہی مگر عرصۂ دراز کے بعد سانپ کا وہی زہر پھر لوٹ آیا جو آپکے وصال کا سبب

بنا یعنی اسی زہر کی وجہ سے آپکی وفات ہوئی۔

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک دن کا بہترین عمل یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب کے کچھ لوگ مرتد ہو گئے اور اُنہوں نے کہا کہ ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے یعنی اس کی فرضیت کے منکر ہو گئے۔تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو اونٹ کی رسّی جو لوگوں پر واجب ہوگی اس کے دینے سے بھی انکار کریں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت میں نے ان سے عرض کیا یَا خَلِیْفَۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ تَاَلَّفِ النَّاسَ وَارْفُقْ بِھِمْ ۔ یعنی لوگوں کے ساتھ اُلفت سے پیش آئیں اور نرمی سے کام لیجئے۔تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم ایام جاہلیت میں تو بڑے سخت اور غضبناک تھے کیا اسلام میں داخل ہو کر کمزور اور پست ہمت ہو گئے اِنَّہٗ قَدِ انْقَطَعَ الْوَحْیُ وَتَمَّ الدِّیْنُ اَیَنْقُصُ وَاَنَاحَیٌّ ۔ یعنی وحی کا آنا بند ہو گیا ہے اور دین اسلام کامل ہو چکا ہے تو کیا میری زندگی میں وہ کمزور و ناقص ہو جائیگا؟ مطلب یہ ہے کہ میں دین اسلام کو اپنی زندگی میں کمزور و ناقص ہرگز نہیں ہونے دوں گا اور جو لوگ زکوٰۃ دینے سے انکار کر رہے ہیں میں ان سے جہاد ضرور کروں گا۔

یہ چند حدیثیں ہم نے آپ کے سامنے افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں پیش کی ہیں۔ان کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثیں اسی قسم کے مضمون کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف و توصیف میں وارد ہوئی ہیں۔جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سارے صحابہ میں سب سے زیادہ مقرب، سب سے زیادہ پیارے اور سب سے زیادہ فضیلت وعظمت والے حضرت صدیق اکبر ہی ہیں اور حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کے سب سے پہلے مستحق وہی ہیں۔

رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ وارضاہ عنا وعن سائر المسلمین

آپ کا نام ونسب

آپکا نام عبد اللہ ہے اور ابوبکر سے جو آپ مشہور ہیں تو یہ آپ کی کنیت ہے اور صدیق و عتیق آپ کا لقب ہے۔آپ کے والد کا نام عثمان اور کنیت ابوقحافہ ہے اور آپ کی والدہ

محترمہ کا نام سلمٰی ہے جن کی کنیت اُم الخیر ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب ساتویں پشت میں مُرّہ بن کعب پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ نسب سے مل جاتا ہے۔ آپ واقعہ فیل کے تقریباً ڈھائی برس بعد مکہ شریف میں پیدا ہوئے۔

عہد طفلی میں بت شکنی

زمانہ جاہلیت میں بھی آپ نے کبھی بت پرستی نہیں کی ہے آپ ہمیشہ اس کے خلاف رہے۔ یہاں تک کہ آپ کی عمر شریف جب چند برس کی ہوئی تو اسی زمانہ میں آپ نے بت شکنی فرمائی۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت فاضل بریلوی علیہ الرحمتہ والرضوان اپنے رسالۂ مبارکہ تنزیہ المکانتہ الحیدریہ ص ۱۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ماجد حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ (کہ وہ بھی بعد میں صحابی ہوئے) زمانہ جاہلیت میں انہیں بت خانہ لے گئے اور بتوں کو دکھا کر ان سے کہا ھٰذِہٖ اٰلِھَتُکَ الشُّمُّ الْعُلٰی فَاسْجُدْ لَھَا ۔ یعنی یہ تمہارے بلند و بالا خدا ہیں انہیں سجدہ کرو۔ وہ تو یہ کہہ کر باہر چلے گئے۔ سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ قضائے مبرم کی طرح بت کے سامنے تشریف لائے اور بتوں اور بت پرستوں کا عجز ظاہر کرنے کے لیے ارشاد فرمایا اِنِّیْ جَائِعٌ فَاَطْعِمْنِیْ ۔ میں بھوکا ہوں مجھے کھانا دے۔ وہ کچھ نہ بولا فرمایا اِنِّیْ عَارٍ فَاکْسِنِیْ ۔ یعنی میں ننگا ہوں مجھے کپڑا پہنا۔ وہ کچھ نہ بولا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک پتھر ہاتھ میں لے کر فرمایا میں تجھ پر پتھر مارتا ہوں فَاِنْ کُنْتَ اِلٰھًا فَامْنَعْ نَفْسَکَ ۔ اگر تو خدا ہے تو اپنے آپ کو بچا۔ وہ اب بھی نرا بت بنا رہا۔ آخر آپ نے بقوت صدیقی اس کو پتھر مارا تو وہ خدائے گمراہاں منہ کے بل گر پڑا۔ اسی وقت آپ کے والد ماجد واپس آ رہے تھے۔ یہ ماجرا دیکھ کر فرمایا کہ اے میرے بچے تم نے یہ کیا کیا؟ فرمایا کہ وہی کیا جو آپ دیکھ رہے ہیں آپ کے والد انہیں ان کی والدہ ماجدہ حضرت اُم الخیر رضی اللہ عنہ کے پاس (کہ وہ بھی صحابیہ ہوئیں) لے کر آئے اور سارا واقعہ ان سے بیان کیا۔ اُنہوں نے فرمایا اس بچے سے کچھ نہ کہو جس رات یہ پیدا ہوئے میرے پاس کوئی نہ تھا میں نے سنا کہ ہاتف کہہ رہا ہے یَا اَمَۃَ اللّٰہِ عَلَی التَّحْقِیْقِ اَبْشِرِیْ بِالْوَلَدِ الْعَتِیْقِ اِسْمُہٗ فِی السَّمَاءِ الصِّدِّیْقُ لِمُحَمَّدٍ صَاحِبٌ وَّرَفِیْقٌ ۔ یعنی اے اللہ کی سچی باندی! تجھے خوش خبری ہو اس آزاد بچے کی جس کا نام آسمانوں میں صدیق

ہے اور جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یار ورفیق ہے۔ رواہ القاضی ابو الحسین احمد بن محمد الزبیدی بسندہ فی معالی القرش الی عوالی العرش ۔

آپ عہد جاہلیت میں

زمانہ جاہلیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی برادری میں سب سے زیادہ مالدار تھے، مروت واحسان کا مجسمہ تھے، قوم میں بہت معزز سمجھے جاتے تھے، گم شدہ کی تلاش آپ کا شیوہ رہا اور مہمانوں کی آپ خوب میزبانی فرماتے تھے آپ کا شمار روسائے قریش میں ہوتا تھا وہ لوگ آپ سے مشورہ لیا کرتے تھے اور آپ سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ آپ قریش کے ان گیارہ لوگوں میں سے ہیں جن کو ایام جاہلیت اور زمانہ اسلام دونوں میں عزت و بزرگی حاصل رہی کہ آپ عہد جاہلیت میں ''خون بہا'' اور جرمانے کے مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے جو اس زمانہ کا بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا۔

آپ نے عہد جاہلیت میں کبھی شراب نہیں پی۔ ایک بار صحابہ کرام کے مجمع میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے زمانہ جاہلیت میں شراب پی ہے۔ آپ نے فرمایا خدا کی پناہ میں نے کبھی شراب نہیں پی۔ لوگوں نے کہا کیوں؟ فرمایا کُنْتُ اَصُوْنُ عِرْضِیْ وَاَحْفَظُ مُرُوَّتِیْ ۔ یعنی میں اپنی عزت وآبرو کو بچاتا تھا اور مروت کی حفاظت کرتا تھا۔ اس لئے کہ جو شخص شراب پیتا ہے اس کی عزت و ناموس اور مروت جاتی رہتی ہے۔ جب اس بات کی خبر حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے دو بار فرمایا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سچ کہا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سچ کہا۔ (تاریخ الخلفاء)

آپ کا حلیہ

ایک شخص نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ آپ ہم سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سراپا اور حلیہ بیان فرمائیں، تو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ کا رنگ سفید تھا، بدن اکہرا تھا، دونوں رُخسار اندر کو دبے ہوئے تھے، پیٹ اتنا بڑا تھا آپ کی لنگی اکثر نیچے کھسک جایا کرتی تھی۔ پیشانی پر ہمیشہ پسینہ رہتا تھا، چہرہ پر زیادہ گوشت نہیں تھا، ہمیشہ نظریں نیچی رکھتے تھے، پیشانی بلند تھی، انگلیوں کی جڑیں گوشت سے خالی تھیں یعنی گھائیاں کھلی رہتی تھیں، حنا اور کتم کا خضاب لگاتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں تشریف لائے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کے بال سیاہ وسفید ملے ہوئے کھچڑی نہیں تھے۔ آپ ان کھچڑی بالوں پر حنا یعنی مہندی اور کتم کا خضاب لگایا کرتے تھے (تاریخ الخلفاء، ص۲۲)...... حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ جو بیان کیا گیا کہ آپ کتم کا خضاب لگاتے تھے۔ اس سے آپ کے متعلق سیاہ خضاب کا گمان کرنا یا اس سے نیل اور حنا ملے ہوئے کہ مطلقاً جائز سمجھ لینا محض غلطی ہے۔ تفصیل کیلئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے رسالہ مبارکہ **حك العيب فی حرمة تسويد الشيب** کا مطالعہ کریں۔

آپ کا قبولِ اسلام

بہت سے صحابہ کرام وتابعین عظام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ امام شعبی فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سب سے پہلے اسلام لانے والا کون ہے؟ تو اُنہوں نے فرمایا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ثبوت میں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے وہ اشعار پڑھے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف وتوصیف میں ہیں اور ان میں سب سے پہلے آپ کے اسلام لانے کا ذکر ہے اور ابن عسا کر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اُنہوں نے فرمایا اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ مِنَ الرِّجَالِ اَبُوْبَكْرٍ ۔ یعنی سب سے پہلے مردوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام لائے اور ابن سعد نے صحابی رسول حضرت ابواَروی دوسی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اُنہوں نے فرمایا اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ اَبُوْ بَكْرٍ ۔ یعنی سب سے پہلے جو اسلام لائے وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہاں تک کہ حضرت میمون بن مہران رضی اللہ عنہ سے جب دریافت کیا گیا کہ حضرت ابوبکر صدیق پہلے مسلمان ہوئے یا حضرت علی (رضی اللہ عنہ)؟ تو اُنہوں نے جواب میں فرمایا وَاللّٰهِ لَقَدْ اٰمَنَ اَبُوْ بَكْرٍ بالنَّبی صلى الله عليه وسلم وَمَنْ بَحِيْرَى الرَّاهِبِ ۔ یعنی قسم ہے خدائے عزوجل کی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بحیریٰ راہب ہی کے زمانہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکے تھے جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پیدا بھی نہیں

ہوئے تھے۔ (تاریخ الخلفاء، ص ۲۳)

اور محمد بن اسحٰق فرماتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ جب میں نے کسی کو بھی اسلام کی دعوت دی تو اس کو تردد ہوا علاوہ ابوبکر کہ جب میں نے ان پر اسلام پیش کیا تو اُنہوں نے بغیر تردد کے اسلام قبول کر لیا...... امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سابق الاسلام ہونے کا سبب یہ ہے کہ آپ نبوت و رسالت کی نشانیاں قبل از اسلام ہی معلوم کر چکے تھے اس لئے جب ان کو اسلام کی دعوت دی گئی تو اُنہوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور بعض محدثین یوں فرماتے ہیں کہ اعلان نبوت کے قبل ہی سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست تھے اور آپ کے اخلاق کی عمدگی، عادات کی پاکیزگی اور آپ کی سچائی و دیانت داری پر یقین کامل رکھتے تھے۔ تو جب سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اسلام پیش کیا تو اُنہوں نے فوراً قبول کر لیا۔ اس لئے کہ جو شخص زندگی کے عام حالات میں جھوٹ نہیں بولتا اور نہ غلط بات کہتا ہے تو بھلا وہ خدائے ذوالجلال کے بارے میں کیسے جھوٹ بول سکتا ہے کہ اس نے مجھے رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ اسی بنیاد پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فوراً بلا تامل مسلمان ہو گئے۔

ان تمام شواہد سے معلوم ہوا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تمام صحابہ میں سب سے پہلے اسلام قبول کئے ہیں۔ اسی لئے بعض حضرات نے یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ آپ کے سب سے پہلے مسلمان ہونے پر اجماع ہے۔ لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ ایمان لائے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اُم المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ تو ان تمام اقوال میں ہمارے امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اس طرح تطبیق فرمائی ہے کہ مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور لڑکوں میں سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔

آپ کا کمال ایمان

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان سارے صحابہ میں سب سے زیادہ کامل تھا۔

جس کا ثبوت بہت سے واقعات سے ملتا ہے...... حدیبیہ میں جن شرطوں پر صلح ہوئی ان میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ مکہ کے مسلمانوں یا کافروں میں سے اگر کوئی شخص مدینہ چلا جائے تو وہ واپس کر دیا جائے گا لیکن اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ چلا آئے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ ابھی صلح نامہ پر طرفین کے دستخط نہیں ہوئے تھے کہ ابوجندل رضی اللہ عنہ جو مسلمان ہو چکے تھے مکہ معظّمہ سے گرتے پڑتے اور اپنی بیڑیاں گھسیٹتے ہوئے حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں کے درمیان آ گئے۔ سہیل بن عمر جو ابوجندل رضی اللہ عنہ کا باپ تھا اور کفار مکہ کی طرف سے صلح کی گفتگو کرنے کیلئے حدیبیہ آیا ہوا تھا۔ جب اس نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو کہا کہ ابوجندل کو آپ میری طرف واپس کر دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی تو صلح نامہ پر فریقین کے دستخط ہی نہیں ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہ معاہدہ تمہارے اور ہمارے دستخط ہو جانے کے بعد ہی نافذ ہوگا۔ اس نے کہا تو جائیں ہم آپ سے صلح نہیں کریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سہیل! ابوجندل کو میرے پاس رہنے کی تم اپنی طرف سے اجازت دیدو اس نے کہا میں اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا۔

جب حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اب میں پھر مکہ لوٹا دیا جاؤں گا تو اُنہوں نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فریاد کی اور کہا اے مسلمانو! دیکھو میں کافروں کی طرف لوٹایا جا رہا ہوں۔ حالانکہ میں مسلمان ہو چکا ہوں اور آپ لوگوں کے پاس آ گیا ہوں اور حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کے بدن پر کافروں کی مار کے جو نشانات تھے آپ مسلمانوں کو وہ نشانات دِکھا دِکھا کر رونے لگے تو مسلمانوں کو بڑا جوش پیدا ہوا یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ کے محبوب دانائے خفایا و غیوب جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچ گئے اور عرض کیا۔ کیا آپ اللہ کے سچے رسول نہیں ہیں؟ ارشاد فرمایا کیوں نہیں؟ یعنی ہاں میں اللہ کا سچا رسول ہوں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ کیا ہم حق پر اور کفار باطل پر نہیں ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں؟ یعنی بے شک ہم حق پر ہیں اور کفار باطل پر ہیں۔ اس جواب پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تو پھر ہم دین کے معاملہ میں دب کر کیوں صلح کریں؟ حضور نے فرمایا اے عمر! بے شک میں اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، میں اس کی نافرمانی کبھی نہیں کر سکتا اور میرا مددگار وہی ہے۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا آپ یہ نہیں فرمایا کرتے تھے کہ ہم بیت اللہ شریف کا طواف کریں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے مگر ہم نے یہ کب کہا تھا کہ اسی سال طواف کریں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں یہ صحیح ہے کہ آپ نے اسی سال کیلئے نہیں فرمایا تھا۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے بھی اسی قسم کی گفتگو کی۔ تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اِلْزَمْ غَرْزَہٗ ۔ یعنی ان کی رکاب تھامے رہو اور ان کے دامن سے لگے رہو بے شک وہ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ ان کا معاون اور مددگار ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس جواب سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جوش ٹھنڈا ہو گیا۔

حدیبیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح صلح فرمائی اس سے مسلمانوں کی ناگواری اور رنج وغم کا یہ عالم رہا کہ تکمیل معاہدہ کے بعد تین بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُٹھو قربانی کرو اور سر منڈا کر حرام کھول دو مگر کوئی اُٹھنے کو تیار نہ ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جوش میں آ کر حضور سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایسی گفتگو کی کہ جس پر وہ زندگی بھر افسوس کرتے رہے اور معافی کیلئے بہت سی نیکیاں کرتے رہے۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جو جواب دیا وہ ایمان افروز جواب بتا رہا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی جگہ پر بالکل مطمئن تھے کہ حضور اللہ کے رسول ہیں وہ جو کچھ کر رہے ہیں سب حق ہے۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ ان کی مدد فرمائے گا۔

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونبوت پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان سارے صحابہ میں سب سے زیادہ کامل واکمل تھا جس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جوش کو بھی ٹھنڈا کر دیا۔

اور شب معراج کی صبح بہت سے مشرکین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ کو کچھ خبر ہے؟ آپ کے دوست محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ رہے ہیں کہ انہیں رات کو بیت المقدس اور آسمان وغیرہ کی سیر کرائی گئی ہے۔ آپ نے کہا کیا واقعی وہ ایسا فرما رہے

ہیں؟ ان لوگوں نے کہاہاں وہ ایسا ہی کہہ رہے ہیں تو آپ نے فرمایا۔ اِنِّیْ لَاُ صَدِّقُهٗ بِاَبْعَدَ مِنْ ذٰلِكَ ۔ یعنی اگر وہ اس سے بھی زیادہ بعید از قیاس اور حیرت انگیز خبر دیں گے تو بیشک میں اس کی بھی تصدیق کرونگا۔

اور غزوۂ بدر میں آپ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن کفار مکہ کے ساتھ تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اُنہوں نے اپنے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ جنگ بدر میں کئی بار میری زد میں آئے لیکن میں نے آپ سے صرف نظر کی اور آپ کو قتل نہیں کیا۔ اس کے جواب میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا لَوْ اَهْدَفْتَ لِیْ لَمْ اَنْصَرِفْ عَنْكَ ۔ یعنی اے عبدالرحمٰ [illegible] زد میں آجاتے تو میں صرف نظر نہ کرتا بلکہ تم کو قتل [illegible]

ان واقعات سے بھی وا [illegible] [illegible] اللہ عنہ کا ایمان سارے صحابہ میں سب سے زیادہ کامل تھا بلکہ درجۂ کمال لی انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ پوری زمین کے مسلمانوں کا ایمان اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان اگر وزن کیا جائے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایمان کا پلہ بھاری ہوگا۔ (تاریخ الخلفاء، ص ۴۰)

آپ کی شجاعت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سارے صحابہ میں سب سے زیادہ شجاع اور بہادر بھی تھے۔ علامہ بزار رحمتہ اللہ علیہ اپنی مسند میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ بتاؤ سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ ان لوگوں نے کہا کہ سب سے زیادہ بہادر آپ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تو ہمیشہ اپنے جوڑ سے لڑتا ہوں۔ پھر کیسے میں سب سے بہادر ہوا۔ تم لوگ یہ بتاؤ کہ سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا حضرت ہم کو نہیں معلوم ہے آپ ہی بتائیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ شجاع اور بہادر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ سنو! جنگ بدر میں ہم لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ایک عریش یعنی جھونپڑا بنایا تھا تا کہ گرد و غبار اور سورج کی دھوپ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ رہیں۔ تو ہم لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کون رہے گا؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان پر کوئی حملہ کر دے **فَوَ اللّٰہِ مَادَنَا مِنَّا اَحَدٌ اَبُوْ بَکْرٍ** ۔ یعنی تو خدا کی قسم اس کام کیلئے سوائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کوئی آگے نہیں بڑھا۔ آپ شمشیر برہنہ ہاتھ میں لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے ہو گئے پھر کسی دشمن کو آپ کے پاس آنے کی جرأت نہیں ہو سکی۔ اس لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی سب سے زیادہ شجاع اور بہادر تھے۔ (تاریخ الخلفا: ص ۲۵)

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار کا واقعہ ہے کہ کافروں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ لیا اور کہنے لگے کہ تم ہی ہو جو کہتے ہو کہ خدا ایک ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو قسم خدا کی اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہیں گیا۔ آپ آگے بڑھے اور کافروں کو مارا اور انہیں دھکے دے دے کر ہٹایا اور فرمایا تم پر افسوس ہے کہ تم لوگ ایسی ذات کو تکلیف پہنچا رہے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار صرف اللہ ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لوگ اپنے ایمان کو چھپاتے تھے مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے ایمان کو علی الاعلان ظاہر فرماتے تھے۔ اسلئے آپ سب سے زیادہ بہادر تھے۔ (تاریخ الخلفا، ص ۲۵)

اور علامہ ہیثم اپنی مسند میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خود فرمایا کہ **لَمَّا کَانَ یَوْمُ اُحُدٍ اِنْصَرَفَ النَّاسُ کُلُّھُمْ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ** صلی اللہ علیہ وسلم **فَکُنْتُ اَوَّلَ مَنْ فَاءَ** ۔ یعنی جنگ اُحد کے دن سب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا چھوڑ کر اِدھر اُدھر ہو گئے تو سب سے پہلے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر ان کی حفاظت کی۔ (تاریخ الخلفاء)

ان شواہد سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سارے صحابہ میں سب سے زیادہ شجاع اور بہادر بھی تھے۔

آپ کی سخاوت

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے اور سخاوت کرنے کے بارے میں بھی سارے صحابہ پر فوقیت رکھتے تھے۔ حدیث شریف کی دو مشہور کتابوں ترمذی اور ابوداؤد میں ہے۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ایک روز ہم لوگوں کو اللہ کی راہ میں صدقہ اور خیرات کرنے کا حکم دیا اور حسن اتفاق سے اس موقع پر میرے پاس کافی مال تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر حضرت ابوبکر سے آگے بڑھ جانا کسی دن میرے لئے ممکن ہوگا تو وہ آج کا دن ہوگا۔ میں کافی مال خرچ کر کے آج ان سے سبقت لے جاؤں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تو میں آدھا مال لے کر خدمت میں حاضر ہوا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا مَا اَبْقَیْتَ لِاَهْلِكَ ۔ یعنی اپنے گھر والوں کیلئے تم نے کتنا چھوڑا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ آدھا مال ان کیلئے چھوڑ دیا ہے۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو کچھ ان کے پاس تھا سب لے آئے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا مَا اَبْقَیْتَ لِاَهْلِكَ ۔ یعنی اے ابوبکر! اپنے اہل وعیال کیلئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ فَقَالَ اَبْقَیْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ان کیلئے اللہ و رسول کو چھوڑ آیا ہوں مطلب یہ ہے کہ میرے اور میرے اہل و عیال کیلئے اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کافی ہیں۔

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس ——— صدیق کیلئے ہے خدا کا رسول بس

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قُلْتُ لَا اَسْبُقُهٗ اِلٰی شَیْءٍ اَبَداً ۔ یعنی میں نے اپنے دل میں کہا کہ کسی چیز میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر میں کبھی سبقت نہیں لے جاسکوں گا۔ (مشکوٰۃ شریف، ص ۵۵۶)

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جس روز میرے والد بزرگوار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام سے مشرف ہوئے اور اس روز آپ کے پاس چالیس ہزار دینار موجود تھے اور ایک روایت میں ہے کہ چالیس ہزار درہم تھے۔ آپ نے یہ سارا مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر خرچ کر دیا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جس روز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے اور جب آپ مدینہ طیبہ ہجرت کر کے آئے تو اس مال میں سے آپ کے پاس صرف پانچ ہزار باقی رہ گئے تھے۔ مکہ معظمہ میں آپ نے ۳۵ ہزار درہم مسلمان غلاموں کے آزاد کرانے اور اسلام کی مدد میں خرچ کر ڈالا تھا۔

حضرت صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ راہِ خدا میں چالیس ہزار دینار خرچ کیے۔ دس ہزار رات میں، دس ہزار دن میں، دس ہزار چھپا کر اور دس ہزار علانیہ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی...... اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ یعنی جولوگ اپنے مال خیرات کرتے ہیں رات میں اور دن میں۔ چھپا کر اور علانیہ، تو ان کیلئے ان کے رب عزوجل کے پاس ان کا اجر ہے اور نہ ان کو کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ لوگ غمگین ہوں گے۔ (پ۳، ع۶)

ترمذی شریف میں ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی نے بھی میرے ساتھ احسان کیا تھا میں نے ہر ایک کا احسان اُتار دیا علاوہ ابوبکر کے احسان کے۔ اُنہوں نے میرے ساتھ ایسا احسان کیا ہے جس کا بدلہ قیامت کے دن ان کو خدائے تعالیٰ ہی عطا فرمائے گا وَمَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَکْرٍ ۔ یعنی اور ہرگز کسی کے مال نے مجھے اتنا فائدہ نہیں پہنچایا ہے جتنا فائدہ کہ ابوبکر کے مال نے پہنچایا ہے۔

(مشکوٰۃ شریف، ص ۵۵۵)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت چاہتے تھے اور ان سے بے انتہا محبت فرماتے تھے۔ شروع زمانہ اسلام میں جو شخص مسلمان ہوتا تھا وہ حتی الامکان اپنے اسلام کو چھپائے رکھتا تھا اور سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی چھپانے کی تلقین فرماتے تھے تاکہ کافروں سے اذیت نہ پہنچے۔ جب مسلمانوں کی تعداد تقریباً چالیس ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اب اسلام کی تبلیغ کھلم کھلا اور علی الاعلان کی جائے۔ پہلے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمایا لیکن جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بہت اصرار کیا تو آپ نے قبول فرمالیا اور سب لوگوں کو ساتھ لے کر مسجد حرام میں تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ شروع فرمایا اور یہ سب سے پہلا خطبہ ہے جو اسلام میں پڑھا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ اسی روز اسلام لائے خطبہ کا شروع ہونا تھا کہ چاروں طرف سے مشرکین مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عظمت و شرافت مکہ معظّمہ میں مسلم تھی اس کے باوجود آپ کو اس قدر مارا کہ پورا چہرہ اور کان و ناک سب لہولہان ہو گئے اور خون سے بھر گئے اور ہر طرح سے آپ کو بہت مارا یہاں تک کہ بے ہوش ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قبیلہ بنو تمیم کے لوگوں کو خبر ہوئی تو وہ آپ کو وہاں سے اُٹھا کر لائے اور کسی کو بھی یہ اُمید نہیں تھی کہ مشرکین کی اس مار کے بعد آپ زندہ بچ سکیں گے۔ آپ کے قبیلہ کے لوگ مسجد کعبہ میں آئے اور اعلان کیا کہ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس حادثہ میں انتقال کر گئے تو ہم ان کے بدلہ میں عتبہ بن ربیعہ کو قتل کریں گے کہ اس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مارنے میں بہت زیادہ حصہ لیا تھا۔

شام تک آپ بے ہوش رہے اور جب ہوش میں آئے تو سب سے پہلا لفظ یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے آپ کو بہت ملامت کی کہ انہی کے ساتھ رہنے کی وجہ سے یہ مصیبت پیش آئی اور دن بھر بے ہوش رہنے کے بعد بات کی تو سب سے پہلے انہی کا نام لیا اور سب سے پہلے ان کا نام کیوں نہ لیں کہ ان کے خون کے ایک ایک قطرہ میں سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت موجزن تھی...... کچھ لوگ بد دلی کے سبب اور بعض لوگ اس خیال سے اُٹھ کر چلے گئے کہ جب بولنے لگے ہیں تو اب آپ کی جان بچ جائے گی۔ جاتے ہوئے لوگ آپ کی والدہ محترمہ حضرت اُم الخیر رضی اللہ عنہا (کہ بعد میں وہ بھی مسلمان ہوئیں) ان سے کہہ گئے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کھانے پینے کیلئے کسی چیز کا انتظام کر دیں۔ وہ کچھ تیار کر کے لائیں اور کھانے کیلئے بہت کہا مگر عاشق صادق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وہی ایک صدا تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے اور ان پر کیا گذری؟ آپ کی والدہ نے فرمایا کہ مجھے کچھ نہیں معلوم کہ ان کا کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن اُم جمیل رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر دریافت کرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ وہ اپنے صاحبزادہ کی اس بیتابانہ درخواست کو پوری کرنے کیلئے دوڑی ہوئی اُم جمیل رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور سیّدنا محمد رسول صلی اللہ علیہ

وسلم کا حال دریافت کیا۔ وہ بھی اس وقت تک اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھیں۔ اُنہوں نے ٹال دیا۔ کوئی واضح جواب نہیں دیا اور کہا اگر تم کہو تو میں چل کر تمہارے بیٹے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھوں کہ ان کا کیا حال ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہاں چلو۔ حضرت اُم جمیل رضی اللہ عنہا ان کے گھر گئیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حالت دیکھ کر برداشت نہ کر سکیں بے تحاشا رونے لگیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ حضرت اُم جمیل رضی اللہ عنہا نے آپکی والدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ سن رہی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ان سے نہ ڈرو۔ تو اُم جمیل رضی اللہ عنہا نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بخیر و عافیت ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ اس وقت کہاں ہیں؟ اُنہوں نے کہا کہ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف رکھتے ہیں۔ فرمایا قسم ہے خدا تعالیٰ کی کہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کھاؤں گا جب تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کر لوں گا۔

آپ کی والدہ محترمہ تو بہت زیادہ بے قرار تھیں کہ آپ کچھ کھا پی لیں مگر آپ نے قسم کھالی کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کر لوں گا کچھ نہیں کھاؤں گا۔ تو آپ کی والدہ نے لوگوں کی آمد و رفت کے بند ہو جانے کا انتظار کیا تا کہ ایسا نہ ہو کوئی آپ کو دیکھ کر پھر اذیت پہنچا دے۔ جب رات کا بہت سا حصہ گزر گیا اور لوگوں کی آمد و رفت بند ہو گئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی والدہ محترمہ لے کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے عاشق صادق سے لپٹ کر روئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حالت دیکھ کر سب رونے لگے۔

(تاریخ الخلفاء وغیرہ)

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ آقائے دو عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو غایت درجہ محبت تھی اور کیوں نہ ہو۔

محمد ہے متاعِ عالم ایجاد سے پیارا — پدر مادر برادر جان و مال اولاد سے پیارا
محمد کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے — اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

اور حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جیش اُسامہ کی تنفیذ کی جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد مبارک کے آخر میں شام کی طرف روانہ فرمایا تھا۔ ابھی یہ لشکر تھوڑی ہی دُور پہنچا تھا اور مدینہ طیبہ کے قریب مقام ذی خشب ہی میں تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عالم سے پردہ فرمایا۔ یہ خبر سن کر اطراف مدینہ کے عرب اسلام سے پھر گئے اور مرتد ہو گئے۔ صحابۂ کرام نے مجتمع ہو کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر زور دیا کہ آپ اس لشکر کو واپس بلالیں اس وقت اس لشکر کا روانہ کرنا کسی طرح مصلحت نہیں۔ مدینہ کے گرد تو عرب کے طوائف کثیرہ مرتد ہو گئے اور لشکر شام کو بھیج دیا جائے؟ اسلام کیلئے یہ نازک ترین وقت تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے کفار کے حوصلے بڑھ گئے تھے اور ان کی مردہ ہمتوں میں جان پڑ گئی تھی۔ منافقین سمجھتے تھے کہ اب کھل کھیلنے کا وقت آ گیا۔ ضعیف الایمان دین سے پھر گئے۔ مسلمان ایک ایسے صدمہ میں شکستہ دل اور بے تاب وتواں ہو رہے ہیں جس کا مثل دُنیا کی آنکھ نے کبھی نہیں دیکھا۔ ان کے دل گھائل ہیں اور آنکھوں سے اشک جاری ہیں۔ کھانا پینا بُرا معلوم ہوتا ہے۔ زندگی ایک ناگوار مصیبت نظر آتی ہے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین کو نظم قائم کرنا، دین کا سنبھالنا، مسلمانوں کی حفاظت کرنا، ارتداد کے سیلاب کو روکنا کس قدر دشوار تھا۔ باوجود اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے روانہ کئے ہوئے لشکر کو واپس کرنا اور مرضی مبارک کے خلاف جرأت کرنا صدیق سراپا صدق کا رابطۂ نیاز مندی گوارا نہ کرتا تھا اور اس کو وہ ہر مشکل سے سخت تر سمجھتے تھے۔ اس پر صحابہ کا اصرار کہ لشکر واپس بلا لیا جائے اور خود حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کا لوٹ کر آنا اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کرنا کہ قبائل عرب آمادۂ جنگ اور درپئے تخریب اسلام ہیں اور کار آزما بہادر میرے لشکر میں ہیں۔ انہیں اس وقت روم بھیجنا اور ملک کو ایسے دلاور مردان جنگ سے خالی کر دینا کسی طرح مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کیلئے اور مشکلات تھیں۔

صحابۂ کرام نے اعتراف کیا ہے کہ اس وقت اگر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی جگہ دوسرا ہوتا تو ہرگز مستقل نہ رہتا اور مصائب و افکار کا یہ ہجوم اور اپنی جماعت کی پریشان حالت

مبہوت کر ڈالتی۔ مگر اللہ اکبر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پائے ثبات میں ذرہ بھر لغزش نہ ہوئی اور ان کے استقلال میں بالکل فرق نہ آیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر پرند میری بوٹیاں نوچ کر کھائیں تو مجھے یہ گوارا ہے مگر حضور انور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضیٔ مبارک میں اپنی رائے کو دخل دینا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روانہ کیے ہوئے لشکر کو واپس کرنا گوارا نہیں۔ یہ مجھ سے نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ ایسی حالت میں آپ نے لشکر کو روانہ فرما دیا۔ اس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حیرت انگیز شجاعت ولیاقت اور کمال دلیری و جواں مردی کے علاوہ ان کے توکل صادق کا بھی پتہ چلتا ہے اور دُشمن بھی انصافاً یہ کہنے پر مجبور ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت و جانشینی کی اعلیٰ قابلیت واہلیت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی تھی۔

اب یہ لشکر روانہ ہوا اور جو قبائل مرتد ہونے کیلئے تیار تھے اور یہ سمجھ چکے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلام کا شیرازہ ضرور درہم برہم ہو جائے گا اور اس کی سطوت و شوکت باقی نہ رہے گی۔ اُنہوں نے دیکھا کہ لشکر اسلام رومیوں کی سرکوبی کیلئے روانہ ہوگیا۔ اسی وقت ان کے خیالی منصوبے غلط ہو گئے اور اُنہوں نے سمجھ لیا کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد مبارک میں اسلام کیلئے ایسا زبردست نظم فرما دیا ہے جس سے مسلمانوں کا شیرازہ درہم برہم نہیں ہوسکتا اور وہ ایسے غم واندوہ کے وقت میں بھی اسلام کی تبلیغ واشاعت اور اس کے سامنے اقوام عالم کو سرنگوں کرنے کیلئے ایک مشہور وزبردست قوم پر فوج کشی کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ خیال غلط ہے کہ اسلام مٹ جائے گا اور اس میں قوت باقی نہ رہے گی بلکہ ابھی صبر کے ساتھ دیکھنا چاہئے کہ یہ لشکر کس شان سے واپس ہوتا ہے۔ فضل الٰہی سے یہ لشکر ظفر پیکر فتح یاب ہوا۔ رومیوں کو ہزیمت وشکست ہوئی۔ جب یہ فاتح لشکر واپس آیا۔ اس وقت وہ تمام قبائل جو مرتد ہونے کا ارادہ کر چکے تھے اس ناپاک قصد سے باز آئے اور اسلام پر سچائی کے ساتھ قائم ہو گئے۔ بڑے بڑے جلیل القدر صائب الرائے صحابہ جو اس لشکر کی روانگی کے وقت نہایت شدت سے اختلاف فرما رہے تھے اپنی فکر کی خطا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے مبارک کے صائب اور انکے علم کی وسعت کے معترف ہوئے۔ (سوانح کربلا)

اور بیہقی وابن عساکر میں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قسم ہے اس

ذات کی کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر نہ ہوئے ہوتے تو روئے زمین پر خدائے تعالیٰ کی عبادت باقی نہ رہ جاتی۔ اسی طرح قسم کے ساتھ آپ نے تین بار فرمایا۔ لوگوں نے آپ سے عرض کیا اے ابوہریرہ! آپ ایسا کیوں کہ رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر مقرر کر کے شام کی طرف روانہ فرمایا تھا اور وہ ابھی ذی خشب کے مقام پر تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔ اس خبر کو سن کر اطرافِ مدینہ کے عرب مرتد ہو گئے صحابۂ کرام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ کی خدمت میں آئے اور اس بات پر زور دیا کہ اُسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو واپس بلالیں۔ آپ نے فرمایا وَالَّذِیْ لَا اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ لَوْ جَرَّتِ الْكِلَابُ بِاَرْجُلِ اَزْوَاجِ النَّبِیِ صلی الله علیه وسلم مَا رَدَدْتُ جَیْشًا وَجَّهَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم ۔ یعنی قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک بیویوں کے پاؤں کتے پکڑ کر گھسیٹیں تب بھی میں اس لشکر کو واپس نہیں بلا سکتا جس کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ فرمایا تھا اور نہ میں اس پرچم کو سرنگوں کروں گا جس کو میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لہرایا تھا۔

پس حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ وہ روانہ ہوئے تو مرتد قبیلے دہشت زدہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ وہ سلطنت روم کی حد میں پہنچ گئے۔ طرفین میں جنگ ہوئی مسلمانوں کا لشکر فتح یاب ہو کر واپس ہوا تو اس طرح اسلام کا بول بالا ہو گیا۔ (تاریخ الخلفاء، ص ۵۱)

محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جو بے انتہا اور غایت درجہ محبت تھی۔ اسی محبت کا یہ اثر ہے کہ نازک وقت میں صحابۂ کرام کے زور ڈالنے کے باوجود حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو واپس بلانا اور پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لہرائے ہوئے جھنڈے کو سرنگوں کرنا آپ نے گوارہ نہ کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دُشمنوں کے حوصلے پست ہو گئے اور اسلام کا پھر سے بول بالا ہو گیا۔ اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی محبت نے اسلام کو زندۂ جاوید بنا دیا۔

مانعین زکوٰۃ

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال فرمانے پر بعض لوگ تو اسلام کے سارے

احکام کے منکر ہو کر مرتد ہو گئے تھے اور کچھ لوگوں نے کہا کہ ہم زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ یعنی اس کی فرضیت کے منکر ہو گئے اور زکوٰۃ کی فرضیت چونکہ نص قطعی سے ثابت ہے تو اس کے منکر ہو کر وہ بھی مرتد ہو گئے۔ اسی لئے شارحین حدیث وفقہائے کرام مانعین زکوٰۃ کو بھی مرتدین میں شمار کرتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے جہاد کا ارادہ فرمایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان سے کہا کہ اس وقت منکرین زکوٰۃ سے جنگ کرنا مناسب نہیں۔ آپ نے فرمایا خدائے ذوالجلال کی قسم۔ اگر وہ لوگ ایک رسّی یا بکری کا ایک بچہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زکوٰۃ دیا کرتے تھے اور اب اس کے دینے سے انکار کریں گے تو میں ان سے جنگ کروں گا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۵۱) ..... پھر آپ مہاجرین وانصار کو ساتھ لے کر اَعراب کی طرف نکل پڑے اور جب وہ بھاگ کھڑے ہوئے تو حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو آپ امیر لشکر بنا کر واپس آ گئے۔ اُنہوں نے اَعراب کو جگہ جگہ گھیرا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر جگہ فتح عطا فرمائی۔ اب صحابۂ کرام خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کی رائے کے صحیح ہونے کا اعتراف کیا اور کہا کہ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا ہے اور اُنہوں نے جو کچھ کیا وہ حق ہے۔

اور وہ واقعہ بھی یہی ہے کہ اگر اس وقت مانعین زکوٰۃ کی سرکوبی نہ کی جاتی اور انہیں چھوٹ دے دی جاتی تو پھر کچھ لوگ نماز کے بھی منکر ہو جاتے اور بعض لوگ روزہ سے بھی انکار کر دیتے اور کچھ لوگ بعض دوسری ضروری چیزوں کا انکار کر دیتے تو اسلام اپنی شان و شوکت کے ساتھ باقی نہ رہتا بلکہ کھیل بن جاتا اور اس کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

مانعین زکوٰۃ اور ان سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جہاد کے نتیجہ میں حضرت صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ ''یہاں سے مسلمانوں کو سبق لینا چاہئے کہ ہر حالت میں حق کی حمایت اور ناحق کی مخالفت ضروری ہے اور جو قوم ناحق کی مخالفت میں سستی کرے گی اور جلد تباہ ہو جائے گی۔ آج کل بعض سادہ لوح باطل فرقوں کے رد کرنے کو بھی منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس وقت آپس کی جنگ موقوف کرو۔ انہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے طریق عمل سے سبق لینا چاہئے کہ آپ نے ایسے نازک وقت

میں بھی باطل کی سرکشی میں توقف نہ فرمایا۔ جو فرقے اسلام کو نقصان پہنچانے کیلئے پیدا ہوئے ہیں ان سے غفلت برتنا یقیناً اسلام کی نقصان رسانی ہے۔ (سوانح کربلا)

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف کلمہ اور نماز مسلمان ہونے کیلئے کافی نہیں بلکہ اسلام کی ساری باتوں کو ماننا ضروری ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اسلام کے سارے احکام پر ایمان رکھتا ہو لیکن ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کا انکار کرتا ہو تو وہ کافر و مرتد ہے جیسے کہ مانعین زکوٰۃ ایک بات کا انکار کر کے کافر و مرتد ہوئے۔ **نعوذ باللہ من ذلك**

اور مسیلمہ کے ساتھی و زکوٰۃ کے منکر و مرتد ہونے سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ''عرب میں کافر و مرتد نہ ہوں گے'' یہ کہنا غلط ہے۔

غلط الزام

رافضی لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر الزام لگاتے ہیں کہ اُنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باغ فدک کو غصب کر لیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نہیں دیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ انبیائے کرام کسی کو اپنے مال کا وارث نہیں بناتے اور جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں سب صدقہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حدیث شریف مروی ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا نُوْرِثُ مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَۃٌ ۔ یعنی ہم گروہ انبیاء کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ سب صدقہ ہے۔

(بخاری، مسلم، مشکوٰۃ، ص ۵۵۰)

اور مسلم شریف جلد دوم، ص ۹۱ پر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال فرما جانے کے بعد ازواج مطہرات نے چاہا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مال سے اپنا حصہ تقسیم کروائیں تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اَلَیْسَ قَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا نُوْرِثُ مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَۃٌ ۔ یعنی کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ ہم کسی کو اپنے مال کا وارث نہیں بناتے ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ سب صدقہ ہے۔

اور بخاری جلد دوم، ص ۵۷۵ و مسلم جلد دوم، ص ۹۰ میں حضرت مالک بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجمع صحابہ جن میں حضرت عباس، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت

عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم موجود تھے۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سب کو قسم دے کر فرمایا۔ کیا آپ لوگ جانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہم کسی کو وارث نہیں بناتے ہم جو کچھ چھوڑیں وہ صدقہ ہے تو سب نے اقرار کیا کہ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے۔

ان احادیث کریمہ کے صحیح ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ترکہ خیبر اور فدک وغیرہ ان کے قبضہ میں ہوا اور پھر ان کے بعد حسنین کریمین وغیرہ کے اختیار میں رہا مگر ان میں سے کسی نے ازواج مطہرات، حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کو باغ فدک وغیرہ سے حصہ نہ دیا۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ نبی کے ترکہ میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ اسی لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا کو باغ فدک نہیں دیا نا کہ بغض و عداوت کے سبب جیسا کہ رافضیوں کا الزام ہے اور آیت کریمہ وَوَرِثَ سُلَیْمَانُ دَاوٗدَ یا اس کے علاوہ قرآنِ مجید و حدیث شریف میں جہاں بھی کہیں انبیائے کرام کی وراثت کا ذکر ہے اس سے علمِ شریعت و نبوت ہی مراد ہے نہ کہ درہم و دینار۔

علالت اور وفات

واقدی اور حاکم میں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ والد گرامی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی علالت کی ابتدا یوں ہوئی کہ آپ نے ۷ جمادی الاخریٰ پیر کے روز غسل فرمایا۔ اس روز سردی بہت زیادہ تھی جو اثر کر گئی۔ آپ کو بخار آ گیا اور پندرہ دن تک آپ علیل رہے۔ اس درمیان میں آپ نماز کیلئے بھی گھر سے باہر تشریف نہیں لا سکے۔ آخر کار بظاہر اسی بخار کے سبب ۶۳ سال کی عمر میں ۲ سال ۲ ماہ سے کچھ زائد امور خلافت انجام دینے کے بعد ۲۲ جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کو آپ کی وفات ہوئی اور آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک پہلو میں مدفون ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

آپ کی کرامتیں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کئی کرامتیں ظاہر ہوئیں ہیں جن میں سے چند

کرامتوں کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ ایک بار میرے باپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ میں سے تین آدمیوں کو اپنے گھر لائے اور ان کو کھانا کھلانے کا حکم فرما کر خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلے گئے یہاں تک کہ آپ نے رات کا کھانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے یہاں کھا لیا اور بہت زیادہ رات گزر جانے کے بعد اپنے مکان پر تشریف لائے۔ ان کی بیوی نے کہا کہ مہمانوں کے پاس آنے سے آپ کو کس چیز نے روک رکھا؟ آپ نے فرمایا کہ تم نے ابھی تک مہمانوں کا کھانا نہیں کھلایا۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ میں نے کھانا پیش کیا تھا مگر مہمانوں نے آپ کے بغیر کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ یہ سُن کا آپ اپنے صاجزادے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ پر سخت ناراض ہوئے اور ان کو بہت بُرا بھلا کہا کہ اس نے مجھ کو مطلع کیوں نہیں کیا۔ پھر کھانا منگوا کر مہمانوں کے ساتھ کھانے کیلئے بیٹھ گئے۔

راوی کا بیان ہے کہ اَیْمُ اللّٰہِ مَا کُنَّا نَاخُذُ مِنَ اللُّقْمَۃِ اِلَّا رَبَا مِنْ اَسْفَلِھَا اَکْثَرُ مِنْھَا ۔ یعنی خدا کی قسم ہم جو بھی لقمہ اُٹھاتے اس کے نیچے کھانا اس سے زیادہ ہو جاتا۔ یہاں تک کہ ہم سب شکم سیر ہو گئے اور جتنا کھانا پہلے تھا اس سے بھی زیادہ بچ رہا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے متعجب ہو کر اپنی بیوی سے فرمایا کہ یہ کیا معاملہ ہے کہ برتن میں کھانا پہلے سے کچھ زیادہ نظر آتا ہے؟ آپ کی بیوی نے قسم کھا کر بلاشبہ یہ کھانا پہلے سے تین گنا زیادہ ہے۔ پھر وہ کھانا اُٹھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے۔ صبح تک کھانا بارگاہِ رسالت میں رہا۔ مسلمانوں اور کافروں کی درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا جس کی مدت ختم ہو گئی تھی اس روز صبح کے وقت ایک لشکر تیار کیا گیا جس میں بہت کافی آدمی تھے پوری فوج نے اس کھانے کو شکم سیر ہو کر کھایا پھر بھی اس برتن میں کھانا کم نہیں ہوا۔

(بخاری، جلد اوّل، ص ۵-۶)

مہمانوں کے کھانے کے بعد پہلے سے بھی کھانے کا تین گنا زیادہ ہو جانا اور صبح کے وقت پوری فوج کا اس کھانے کو شکم سیر ہو کر کھانا پھر بھی برتن میں کھانے کا کم نہ ہونا۔ یہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عظیم کرامت ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اُنہوں نے فرمایا کہ میرے باپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے مرض موت میں مجھے وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میری پیاری بیٹی! میرے پاس جو کچھ مال تھا آج وہ مال وارثوں کا ہو چکا ہے۔ میری اولاد میں تمہارے دو بھائی عبدالرحمٰن و محمد ہیں اور تمہاری دو بہنیں ہیں۔ لہٰذا میرے مال کو تم لوگ قرآن مجید کے فرمان کے مطابق تقسیم کر کے اپنا اپنا حصہ لے لینا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ابا جان میری تو ایک ہی بہن بی بی اسماء ہیں یہ میری دوسری بہن کون ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری سوتیلی ماں حبیبہ بنت خارجہ جو حاملہ ہے اس کے پیٹ میں لڑکی ہے وہی تمہاری دُوسری بہن ہے۔ چنانچہ آپ کے وصال فرمانے کے بعد آپ کے فرمان کے مطابق حبیبہ بنت خارجہ کے پیٹ سے لڑکی (اُم کلثوم) ہی پیدا ہوئیں۔

(مؤطا امام محمد باب النحلی، ص ۳۴۸)

اس حدیث شریف سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دو کرامتیں ثابت ہوئیں۔ پہلی کرامت یہ کہ وفات سے پہلے آپ کو اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ میں اسی مرض میں انتقال کر جاؤں گا۔ اسی لئے آپ نے وصیت کے وقت یہ فرمایا کہ آج میرا مال میرے وارثوں کا مال ہو چکا ہے۔ دوسری کرامت یہ ثابت ہوئی ہے کہ حاملہ کے پیٹ میں لڑکی ہے۔ آپ یقین کے ساتھ جانتے تھے اسی لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ حبیبہ بنت خارجہ جو حاملہ ہے اس کے پیٹ میں لڑکی ہے وہی تمہاری بہن ہے اور ان دونوں باتوں کا علم یقیناً غیب کا علم ہے جو بے شک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دو عظیم الشان کرامتیں ہیں۔

آپ کی خصوصیات

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں بہت سی خصوصیات پائی جاتی ہیں جن میں سے چند خصوصیات کو ہم آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ابن عساکر حضرت امام شعبی سے روایت کرتے ہیں۔ اُنہوں نے فرمایا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خدائے عزوجل نے ایسی چار خصلتوں سے مختص فرمایا جن سے کسی کو سرفراز نہیں فرمایا۔ (اوّل) آپ کا نام صدیق رکھا اور کسی دوسرے کا نام صدیق نہیں، (دوئم) آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ غارِ ثور میں رہے، (سوئم) آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت میں رفیق سفر ہے، (چہارم) سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حکم فرمایا کہ آپ صحابہٗ کرام رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھائیں اور دوسرے لوگ آپ کے مقتدی بنیں۔ ایک بہت بڑی خصوصیت آپ کی یہ بھی ہے کہ آپ صحابی، آپ کے والد صحابی، آپ کے بیٹے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ صحابی اور ان کے صاحبزادے ابوعتیق محمد رضی اللہ عنہ صحابی، یعنی آپ کی چار نسل صحابی ہیں۔

دُعا ہے کہ خدائے عزوجل ہم سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی غلامی عطا فرمائے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

امیر المؤمنین

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حقیقت میں کمال وخوبی والا وہ شخص ہے جو دوسروں کو بھی کمال وخوبی والا بنادے تو ہمارے آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت میں کمال وخوبی والے ہیں جنہوں نے بے شمار لوگوں کو کمال وخوبی والا بنادیا اور ان کا یہ فیض ہمیشہ جاری رہے گا کہ قیامت تک اپنے جاں نثاروں کو کمال وخوبی والا بناتے رہیں گے۔

اور پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن لوگوں کو کمال وخوبی والا بنادیا ان میں سے ایک مشہور ومعروف امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد تمام صحابہ میں سب سے افضل ہیں۔

نام ونسب

آپ کا نام عمر رضی اللہ عنہ ہے۔ کنیت ابوحفص اور لقب فاروق اعظم ہے۔ آپ کے والد کا نام خطاب اور ماں کا نام عتمہ ہے جو ہشام بن مغیرہ کی بیٹی یعنی ابوجہل کی بہن ہیں۔ آٹھویں پشت میں آپ کا شجرۂ نسب سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خاندانی شجرۂ سے ملتا ہے۔ آپ واقعہ فیل کے تیرہ سال بعد پیدا ہوئے۔ نبوت کے چھٹے سال ستائیس برس کی عمر میں اسلام سے مشرف ہوئے۔ آپ نے اس وقت اسلام قبول فرمایا۔ جبکہ چالیس مرد اور گیارہ عورتیں ایمان لاچکی تھیں اور بعض علماء کا خیال ہے کہ آپ نے اُنتالیس مرد اور تیئیس عورتوں کے بعد اسلام قبول کیا۔ (تاریخ الخلفاء)

ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دُعا فرماتے تھے یَا اِلٰہَ العالمین عمر بن خطاب اور ابوجہل بن ہشام میں سے جو تجھے پیارا ہو اس سے تو اسلام کو عزت عطا فرما اور حاکم کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح دُعا فرمائی اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الاِسْلَامَ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ خَاصَّۃً ۔ یعنی یا اللہ! خاص طور سے عمر بن خطاب کو مسلمان بنا کر اسلام کو عزت وقوت عطا فرما۔ تو اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دُعا بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوگئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام سے مشرف ہو گئے۔

آپ کے قبولِ اسلام کا واقعہ

دن بدن مسلمانوں کی تعداد بڑھتے ہوئے دیکھ کر ایک روز کفار مکہ جمع ہوئے اور سب نے یہ طے کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا جائے۔ (معاذ اللہ ربّ العالمین)۔ مگر سوال پیدا ہوا کہ کون قتل کرے۔ مجمع میں اعلان ہوا کہ ہے کوئی بہادر جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دے۔ اس اعلان پر پورا مجمع تو خاموش رہا مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں ان کو قتل کروں گا۔ لوگوں نے کہا بے شک تم ہی ان کو قتل کر سکتے ہو۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُٹھے اور تلوار لٹکائے ہوئے چل دیئے۔ اسی خیال میں جا رہے تھے کہ ایک صاحب قبیلہ زہرہ کے جن کا نام حضرت نعیم بن عبداللہ بتایا جاتا ہے اور بعض لوگوں نے دوسروں کا نام لکھا ہے۔ بہر حال اُنہوں نے پوچھا کہ اے عمر! کہاں جا رہے ہو؟ کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے جا رہا ہوں۔ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس قتل کے بعد تم نبی ہاشم اور بنی زہرہ سے کس طرح بچ سکو گے۔ وہ تمہیں ان کے بدلے میں قتل کر دیں گے۔ اس بات کو سن کر وہ بگڑ گئے اور کہنے لگے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے بھی اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا ہے۔ تو لاؤ میں پہلے تجھی کو نپٹا دوں۔ یہ کہہ کر تلوار کھینچ لی اور حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے بھی یہ کہا کہ ہاں میں مسلمان ہو گیا ہوں اپنی تلوار سنبھالی۔ عنقریب دونوں طرف سے تلوار چلنے کو تھی کہ حضرت نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تو پہلے اپنے گھر کی خبر لے۔ تیری بہن فاطمہ بنت خطاب اور بہنوئی سعید بن زید رضی اللہ عنہ دونوں اپنے باپ داد کا دین چھوڑ کر مسلمان ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بے انتہا غصہ پیدا ہوا وہ وہیں سے پلٹ پڑے اور سیدھے اپنی بہن

کے گھر پہنچے۔ وہاں حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ دروازہ بند کئے ہوئے ان دونوں میاں بیوی کو قرآن مجید پڑھا رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھولنے کیلئے کہا۔ اُن کی آواز سن کر حضرت خباب رضی اللہ عنہ گھر کے ایک حصہ میں چھپ گئے بہن نے دروازہ کھولا۔ آپ گھر میں داخل ہوئے اور پوچھا تم لوگ کیا کر رہے تھے؟ اور یہ آواز کس کی تھی؟ آپ کے بہنوئی نے ٹال دیا اور کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ کہنے لگے مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگ اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لئے ہو۔ بہنوئی نے کہا ہاں باپ دادا کا دین باطل ہے اور دوسرا دین حق ہے۔ یہ سننا تھا کہ بے تحاشا ٹوٹ پڑے ان کی داڑھی پکڑ کر کھینچی اور زمین پر پٹک کر خوب مارا۔ ان کی بہن چھڑانے کیلئے دوڑیں تو ان کے منہ پر ایک گھونسا اتنی زور سے مارا کہ وہ خون سے تر بتر ہو گئیں۔ آخر وہ بھی حضرت عمر ہی کی بہن تھیں کہنے لگیں کہ عمر ہم کو اس وجہ سے مار رہے ہو کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں۔ کان کھول کر سن لو کہ تم مار مار کر ہمارے خون کا ایک ایک قطرہ نکال لو یہ ہو سکتا ہے، لیکن ہمارے دل سے ایمان نکال لو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا اور آپ کی بہن نے کہا کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ بے شک ہم لوگ مسلمان ہو گئے ہیں۔ تجھ سے جو ہو سکے تو کر لے بہن کے جواب اور ان کو خون سے تر بتر دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا مجھے وہ کتاب دو جو تم لوگ پڑھ رہے تھے تاکہ میں بھی اس کو پڑھوں۔ آپ کی بہن نے کہا کہ تم ناپاک ہو اور اس مقدس کتاب کو پاک لوگ ہی ہاتھ لگا سکتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر چند اصرار کیا مگر وہ بغیر غسل کے دینے کو تیار نہ ہوئیں۔ آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غسل کیا پھر کتاب لے کر پڑھی۔ اس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی اس کو پڑھنا شروع کیا۔ جس وقت اس آیت کریمہ پر پہنچے۔ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ ۔ یعنی بے شک میں اللہ ہوں۔ میرے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ تو میری عبادت کرو اور میری یاد کیلئے نماز قائم کرو۔ (پ ۱۶، ع ۱۰) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے چلو۔ جس وقت حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے بات سنی تو آپ باہر نکل آئے اور کہا کہ اے عمر! میں تم کو خوشخبری دیتا ہوں کہ کل جمعرات کی شب

میں سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی تھی کہ یا الٰہَ العالمین! عمر اور ابو جہل میں جو تجھے محبوب و پیارا ہو اس سے اسلام کو قوت عطا فرما۔ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ کی دُعا تمہارے حق میں قبول ہوگئی۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت صفا پہاڑی کے قریب حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں تشریف فرما تھے۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ آپ کو ساتھ لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے ارادہ سے چلے۔ حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور کچھ دوسرے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حفاظت اور نگرانی کیلئے بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھ کر فرمایا کہ عمر آ رہے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کو ان کی بھلائی منظور ہے تب تو یہ میرے ہاتھ سے بچ جائیں گے اور اگر ان کی نیت کچھ اور ہے تو اس وقت ان کا قتل کرنا بہت آسان ہے۔ اسی درمیان میں آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان حالات کے بارے میں وحی نازل ہو چکی تھی سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مکان سے باہر تشریف لا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دامن اور ان کی تلوار پکڑ لی اور فرمایا! اے عمر! کیا یہ فساد تم اس وقت تک برپا کرتے رہو گے جب تک کہ تم پر ذلت و رسوائی مسلط نہ ہو جائے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ الا للہُ وَاَنَّکَ عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے بندے اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

اس طرح اللہ کے محبوب پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں مقبول ہوئی۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ الرضوان فرماتے ہیں۔

اجابت کا سہرا عنایت کا جوڑا ۔۔۔ دُلہن بن کے نکلی دُعائے محمد ﷺ

اور فرماتے ہیں......

اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا ۔۔۔ بڑھی ناز سے جب دُعائے محمد ﷺ

چلے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے محبوب پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کیلئے (معاذ اللہ) مگر خود ہی قتیل تیغ ابروئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہو گئے۔

شد غلامے کہ آپ جو آرد آپ جو آمد و غلام ببرد

اس واقعہ سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوئی کہ اسلام بزور شمشیر نہیں پھیلا۔ دیکھئے اسلام قبول کرنے والے کے ہاتھ میں شمشیر ہے اور اسلام پھیلانے والے کا ہاتھ شمشیر سے خالی ہے۔

فاروق کا لقب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہوگیا تو میرے اسلام قبول کرنے کی خوشی میں اس وقت جتنے مسلمان حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں موجود تھے انہوں نے اتنی زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ اس کو مکہ کے سب لوگوں نے سنا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں نہیں؟ یعنی بے شک ہم حق پر ہیں۔ اس پر میں نے عرض کیا پھر یہ پوشیدگی اور پردہ کیوں ہے؟ اس کے بعد ہم سب مسلمان اس گھر سے دو صفیں بن کر نکلے۔ ایک صف میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری صف میں میں تھا اور اسی طرح ہم سب صفوں کی شکل میں مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ کفار قریش نے مجھے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو جب مسلمانوں کے گروہ کے ساتھ دیکھا تو ان کو بے انتہا ملال ہوا۔ اس روز سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فاروق کا لقب عطا فرمایا۔ اس لئے کہ اسلام ظاہر ہوگیا اور حق و باطل کے درمیان فرق واضح ہوگیا۔ (تاریخ الخلفاء)

اظہارِ اسلام

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں مسلمان ہوگیا تو اس کے بعد اپنے ماموں ابوجہل بن ہشام کے پاس پہنچا۔ ابوجہل خاندان قریش میں بہت با اثر سمجھا جاتا تھا اور اس کو بھی رئیس قریش کی حیثیت حاصل تھی۔ میں نے اس کے دروازہ کی کنڈی کھٹکھٹائی۔ اس نے اندر سے پوچھا کون ہے؟ میں نے کہا میں عمر ہوں اور میں تمہارا دین چھوڑ کر مسلمان ہوگیا ہوں۔ اس نے کہا عمر! ایسا کبھی مت کرنا۔ مگر میرے ڈر کے سبب باہر نہیں نکلا بلکہ اندر سے دروازہ بند کرلیا۔ میں نے کہا یہ کیا طریقہ ہے؟ مگر اس نے کوئی جواب

نہیں دیا اور نہ دروازہ کھولا۔ میں اسی طرح دیر تک باہر کھڑا رہا۔ پھر وہاں سے قریش کے ایک دوسرے سردار اور بااثر شخص کے پاس پہنچا۔ میں نے اس کو پکارا۔ وہ نکلا تو جو بات میں نے اپنے ماموں ابوجہل سے کہی تھی کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں۔ وہی بات اس سے بھی کہی۔ تو اس نے بھی کہا کہ ایسا مت کرنا۔ پھر میرے خوف سے گھر کے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کرلیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا۔ یہ کیا معاملہ ہے کہ مسلمان مارے جاتے ہیں اور میں نہیں مارا جاتا ہوں۔ کوئی مجھ سے کچھ تعارض نہیں کرتا۔ میری یہ باتیں سن کر ایک شخص نے کہا کہ تم اپنا اسلام اور اپنا دین اس طرح ظاہر کرنا چاہتے ہو۔ میں نے کہا کہ ہاں میں اسی طرح ظاہر کروں گا۔ اس نے کہا وہ دیکھو پتھر کے پاس کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان میں فلاں شخص ایسا ہے کہ اگر اس سے تم کچھ راز کی بات کہو تو وہ فوراً اعلان کردے گا۔ اس سے اپنے اسلام لانے کا واقعہ بیان کردو ہر جگہ خبر ہو جائے گی۔ ایک ایک آدمی کے گھر جانے کی ضرورت نہیں۔ میں وہاں پہنچا اور اس سے اپنے اسلام قبول کرنے کا ظاہر کیا۔ اس نے کہا کیا واقعی تم مسلمان ہو چکے ہو۔ میں نے کہا ہاں بے شک میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ یہ سنتے ہی اس نے بلند آواز سے اعلان کیا کہ اے لوگو! عمر بن خطاب ہمارے دین سے نکل گیا۔ یہ سنتے ہی اِدھر اُدھر جو مشرکین بیٹھے ہوئے تھے مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ پھر دیر تک مار پیٹ ہوتی رہی۔ شور وغل کی آواز میرے ماموں ابوجہل نے سنی۔ اس نے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ لوگوں نے کہا کہ عمر مسلمان ہوگیا ہے۔ میرا ماموں ابوجہل ایک پتھر پر چڑھا اور لوگوں سے کہا کہ میں نے اپنے بھانجے کو پناہ دے دی۔ یہ سنتے ہی جو لوگ مجھ سے الجھ رہے تھے۔ الگ ہوگئے۔ مگر یہ بات مجھے بہت ناگوار ہوئی کہ دوسرے مسلمانوں سے مار پیٹ ہو اور مجھ کو پناہ دے دی جائے۔ میں ابوجہل کے پاس پھر پہنچا اور کہا جِوَارُكَ رُدَّ عَلَيْكَ ۔ یعنی تیری پناہ میں تجھے واپس کرتا ہوں۔ مجھے تیری پناہ کی ضرورت نہیں۔ پھر کچھ دنوں تک مار پیٹ کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مسلمان ہونا اسلام کی فتح تھی۔ ان کی ہجرت نصرت الٰہی تھی اور ان کی خلافت رحمت خداوندی تھی۔ ہم میں سے کسی کی یہ ہمت و طاقت نہیں تھی کہ ہم بیت اللہ شریف کے پاس

نماز پڑھ سکیں۔مگر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے تو اُنہوں نے مشرکین سے اس قدر جنگ و جدال کیا کہ اُنہوں نے عاجز آ کر مسلمانوں کا پیچھا چھوڑ دیا تو ہم بیت اللہ شریف کے پاس اطمینان سے علانیہ نماز پڑھنے لگے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس نے سب سے پہلے اپنا اسلام علی الاعلان ظاہر کیا وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔

اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اُنہوں نے فرمایا کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایمان لائے تب اسلام ظاہر ہوا۔یعنی اس سے پہلے لوگ اپنا اسلام قبول کرنا ظاہر نہیں کرتے تھے۔ان کے ایمان لانے کے بعد لوگوں کو اسلام کی طرف کھلم کھلا بلایا جانے لگا اور ہم بیت اللہ شریف کے پاس مجلسیں قائم کرنے، اس کا علانیہ طواف کرنے، کافروں سے بدلہ لینے اوران کا جواب دینے کے قابل ہو گئے۔

آپ کی ہجرت

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ہجرت بھی بے مثال ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ ہم کسی ایسے شخص کو نہیں جانتے جسنے علانیہ ہجرت کی ہو۔جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہجرت کی نیت سے نکلے تو آپ نے اپنی تلوار گلے میں لٹکائی اور کمان کندھے پر اور ترکش سے تیر نکال کر ہاتھ میں لے لیا پھر بیت اللہ شریف کے پاس حاضر ہوئے۔وہاں بہت سے اشرافِ قریش بیٹھے ہوئے تھے۔آپ نے اطمینان سے کعبہ شریف کا طواف کیا۔پھر بہت اطمینان سے مقام ابراہیم کے پاس دو رکعت نماز پڑھی پھر اشراف قریش کی جماعت کے پاس آ کر ایک ایک شخص سے الگ الگ فرمایا شَاهَتِ الْوُجُوْہ ۔ یعنی تم لوگوں کے چہرے بدشکل ہو جائیں بگڑ جائیں اور تمارا ناس ہو جائے۔اس کے بعد فرمایا مَنْ اَرَادَ اَنْ تَثْكَلَهٗ اُمُّهٗ وَ يَتَمَ وَلَدُهٗ وَ تُرْمِلَ زَوْجَتُهٗ فَلْيَلْقَنِيْ وَرَاءَ هٰذَا الْوَادِيْ ۔ یعنی جو شخص کہ اپنی ماں کو بے اولاد، اپنے بچوں کو یتیم اور اپنی بیوی کو بیوہ بنانے کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اس وادی کے اس طرف آ کر میرا مقابلہ کرے۔آپ کے اس طرح للکارنے کے باوجود ان اشراف قریش میں سے کسی مائی کے لعل کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ آپ کا پیچھا کرتا۔(تاریخ الخلفاء،ص ۷۹)

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے ہجرت کر کے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ آئے۔ پھر حضرت ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم بیس سواروں کے ساتھ تشریف لائے۔ ہم نے ان سے پوچھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ کیا ہے؟ اُنہوں نے فرمایا کہ وہ پیچھے تشریف لائیں گے۔ تو آپ کے بعد سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

(تاریخ الخلفاء)

امام نووی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے اور آپ وہ بہادر ہیں کہ غزوۂ اُحد میں بھی جب کہ جنگ کا نقشہ بدل گیا اور مسلمانوں میں افراتفری پیدا ہوگئی تو اس حالت میں بھی آپ ثابت قدم رہے۔ (تاریخ الخلفاء)

آپ کا حلیہ

حضرت زِر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رنگ گندمی تھا۔ آپ کے سر کے بال خود پہننے کی وجہ سے گر گئے تھے۔ قد آپ کا لمبا تھا۔ مجمع میں آپ کا سر دوسرے لوگوں کے سروں سے اُونچا معلوم ہوتا تھا۔ دیکھنے میں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپ کسی جانور پر سوار ہیں۔

اور علامہ واقدی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رنگ جو لوگ گندمی بتلاتے ہیں اُنہوں نے قحط کے زمانہ میں آپ کو دیکھا ہوگا۔ اس لئے کہ اس زمانہ میں زیتون کا تیل استعمال کرنے کے سبب رنگ آپ کا گندمی ہوگیا تھا۔

اور ابن سعد نے روایت کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے باپ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا حلیہ اس طرح بیان کیا ہے کہ آپ کا رنگ سرخی مائل سفید تھا۔ آخری عمر میں سر کے بال جھڑ گئے تھے اور بڑھاپے کے آثار ظاہر تھے......... اور ابن رجا سے ابن عساکر نے روایت کی ہے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ طویل القامت اور موٹے بدن کے آدمی تھے۔ سر کے بال بہت زیادہ جھڑے ہوئے تھے۔ رنگ

بہت گورا تھا جس میں سرخی جھلکتی تھی۔ آپ کے گال اندر کو دھنسے ہوئے تھے۔ مونچھوں کے کنارے کا حصہ بہت لمبا تھا اوران کے اطراف میں سرخی تھی (تاریخ الخلفاء، ص ۸۹)

فاروق اعظم اوراحادیث کریمہ

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں۔ ترمذی شریف کی حدیث ہے۔ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیّ لَکَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ۔ یعنی اگر میرے بعد نبی ہوتے تو عمر ہوتے (مشکوٰۃ شریف، ص ۵۵۸) سبحان اللہ۔ یہ ہے مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین نہ ہوتے تو آپ نبی ہوتے۔ اس حدیث شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا عظیم الشان بیان ہے۔

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَنِّیْ لَاَ نْظُرُ اِلیٰ شَیَاطِیْنَ الْجِنِّ وَالاِنْسِ قَدْ فَرُّوْ مِنْ عُمَرَ یعنی میں بلا شبہ نگاہ نبوت سے دیکھ رہا ہوں کہ جن کے شیطان بھی اور انسان کے شیطان بھی دونوں میرے عمر کے خوف سے بھاگتے ہیں۔ رضی اللہ عنہ (مشکوٰۃ شریف، ص ۵۵۸) یہ رعب و دبدبہ ہے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا کہ چاہے جن کا شیطان ہو یا انسان کا دونوں ان کے ڈر سے بھاگ جاتے ہیں۔

اور مدراج النبوۃ جلد دوم، ص ۴۲۶ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''عمر بامن ست ومن باعمرم وحق باعمرست ہر جا کہ باشد''۔ یعنی عمر مجھ سے ہیں اور میں عمر سے ہوں اور عمر جس جگہ بھی ہوتے ہیں حق ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا تو خواب دیکھا کہ لوگ میرے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں اور مجھ کو دکھائے جا رہے ہیں۔ وہ سب کُرتے پہنے ہوئے تھے۔ جن میں سے کچھ لوگوں کے کُرتے ایسے تھے جو صرف سینے تک تھے اور بعض لوگوں کے کُرتے اس سے نیچے تھے۔ پھر عمر بن خطاب کو پیش کیا گیا جو اتنا لمبا کرتا پہنے ہوئے تھے کہ زمین پر گھسیٹتے ہوئے چلتے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین۔ (مشکوٰۃ شریف، ص ۵۵۷) اس حدیث شریف میں اس بات کا واضح بیان کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دینداری اور تقویٰ شعاری میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔

اور ترمذی شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّ اللّٰہِ جَعَلَ الْحَقَّ لِسَانِ عُمَرَ وَ قَلْبِہٖ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان اور قلب پر حق کو جاری فرمادیا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف، ص ۵۵۷) مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہمیشہ حق ہی بولتے ہیں۔ ان کے قلب اور زبان پر باطل کبھی جاری نہیں ہوتا۔

اور طبرانی اوسط میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مَنْ اَبْغَضَ عُمَرَ فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ وَمَنْ اَحب عمر فقد احبنی ۔ یعنی جس شخص نے عمر سے دُشمنی رکھی اس نے مجھ سے دُشمنی رکھی اور جس نے عمر سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور خدائے تعالیٰ نے عرفہ والوں پر عموماً اور عمر پر خصوصاً فخر ومباہات کی ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اور جتنے انبیائے کرام علیہم السلام دُنیا میں مبعوث ہوئے ہر نبی کی اُمت میں ایک محدِّث ضرور ہوا ہے اور اگر کوئی محدِّث میری اُمت میں ہے تو وہ عمر ہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! محدِّث کیا ہوتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کی زبان سے ملائکہ بات کریں وہ محدِّث ہوتا ہے۔

(تاریخ الخلفاء، ص ۸۱)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بخاری اور مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَلَقَدْ کَانَ فِیْمَا قَبْلَکُمْ مِنَ الاُمَمِ مُحَدَّثُوْنَ فَاِنْ یَّکُ فِیْ اُمَّتِیْ اَحَدٌ فَاِنَّہٗ عُمَرُ ۔ یعنی تم سے پہلے اُمتوں میں محدث ہوئے ہیں۔ اگر میری اُمت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمر رضی اللہ تعالیٰ ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف، ص ۵۵۶)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس دُنیا نہیں آئی اور نہ اُنہوں نے اس کی خواہش وتمنا فرمائی مگر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس دُنیا بہت آئی لیکن اُنہوں نے اسے قبول نہیں کیا بلکہ ٹھکرا دیا (تاریخ الخلفاء، ص ۸۲)

بے شک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس دُنیا آئی کہ ان کے زمانۂ خلافت میں بہت مما لک فتح ہوئے اور بے شمار شہروں پر قبضہ ہوا جہاں سے بے انتہا مال غنیمت حاصل ہوا مگر آپ فقیرانہ زندگی ہی گزارتے تھے۔ آپ ہی کے زمانۂ خلافت میں شہر مدائن فتح ہوا اور وہاں سے اس قدر مال غنیمت حاصل ہوا کہ اس سے پہلے کسی شہر کے فتح ہونے پر نہیں حاصل ہوا تھا۔ شہر مدائن کے مال غنیمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس شہر کے فتح کرنے والے لشکر کے سپاہی ساٹھ ہزار تھے۔ بیت المال کے پانچوں حصے نکالنے کے بعد ہر سپاہی کو بارہ ہزار درہم نقد ملا تھا اور یہ مال کسریٰ بادشاہ کے اس فرش کے علاوہ تھا جو سونے چاندی اور جواہرات سے بنا ہوا تھا۔ جس کو مخصوص درباروں میں کسریٰ بادشاہ کیلئے بچھایا جاتا تھا۔ یہ فرش لشکر کی اجازت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا گیا اس فرش کی قیمت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے ایک بالشت مربع ٹکڑے کی قیمت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بیس ہزار کی رقم ملی تھی۔ تو اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس دُنیا آتی تھی مگر آپ ہمیشہ اسے ٹھکراتے رہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو تحریر فرمایا کہ لوگوں کو ان کی تنخواہیں اور اس کے ساتھ عطیات کے طور پر بھی مال تقسیم کر دو۔ اُنہوں نے آپ کو لکھا کہ میں نے ایسا ہی کیا لیکن اس کے باوجود ابھی مال بہت زیادہ موجود ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو تحریر فرمایا کہ کل مال ''مال غنیمت'' ہے جو خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو دیا ہے لہٰذا وہ سب مال انہیں پر تقسیم کر دو۔ وہ مال عمر یا اس کی اولاد کا نہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ (تاریخ الخلفاء: ص ۹۸)

آپ کی رائے سے قرآن کی موافقت

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی ایک بہت بڑی فضیلت یہ ہے کہ قرآن مجید آپ کی رائے کے موافق نازل ہوتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائیں موجود ہیں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اگر کسی معاملہ میں لوگوں کی رائے دوسری ہوتی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے دوسری۔ تو قرآن مجید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رائے کے موافق نازل ہوتا تھا۔ اور حضرت

مجاہد سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی معاملہ میں جو کچھ مشورہ دیتے تھے قرآن شریف کی آیتیں اسی کے مطابق نازل ہوتی تھیں (تاریخ الخلفاء، ص ۸۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے رب نے ان سے اکیس باتوں میں موافقت فرمائی ہے۔ ان میں سے چند باتوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی خدمت میں ہر طرح کے لوگ آتے جاتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ازواج مطہرات بھی ہوتی ہیں۔ بہتر ہے کہ آپ ان کو پردہ کرنے کا حکم فرمائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری اس عرض کے بعد اُمہات المؤمنین کے پردہ کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ط یعنی اور جب تم امہات المؤمنین سے استعمال کرنیکی کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو۔ (پ ۲۲، ع ۴) (تاریخ الخلفاء)

ملک شام سے ایک قافلہ کے ساتھ ابوسفیان کے آنے کی خبر پا کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ ان کے مقابلہ کیلئے روانہ ہوئے۔ مکہ معظمہ سے ابوجہل کفار قریش کا ایک بھاری لشکر لے کر قافلہ کی امداد کیلئے روانہ ہوا۔ ابوسفیان تو راستہ سے ہٹ کر اپنے قافلہ کے ساتھ سمندر کے ساحل کی طرف چل پڑے۔ تو ابوجہل سے اس کے ساتھیوں نے کہا کہ قافلہ تو بچ گیا اب مکہ معظمہ واپس چلو مگر اس نے انکار کر دیا اور حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے ارادہ سے بدر کی طرف چل پڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے جنگ کرنے کے بارے میں مشورہ کیا تو بعض لوگوں نے کہا کہ ہم اس تیاری سے نہیں چلے تھے، نہ ہماری تعداد زیادہ ہے نہ ہمارے پاس کافی سامان اسلحہ ہے مگر اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بدر کی طرف نکل کر کافروں سے مقابلہ کرنے ہی کا مشورہ دیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۔ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ (پ ۹، ع ۱۵) یعنی اے محبوب! تمہیں تمہارے رب نے تمہارے گھر سے حق کے ساتھ (بدر کی طرف) برآمد کیا اور بے شک مسلمانوں کا ایک گروہ اس پر ناخوش تھا۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت عبدالرحمٰن بن ابویعلیٰ بیان فرماتے ہیں کہ ایک یہودی حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے ملا اور آپ سے کہنے لگا کہ جبریل علیہ السلام فرشتہ جس کا تذکرہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کرتے ہیں وہ ہمارا سخت دشمن ہے اس کے جواب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكَالَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ یعنی جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبریل و میکائیل کا۔ تو اللہ دشمن ہے کافروں کا۔ تو جن الفاظ کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہودی کو جواب دیا بالکل انہی الفاظ کے ساتھ قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (پ ۱، ع ۱۲) (تاریخ الخلفاء، ص ۸۴) آیت مبارکہ کے آخری جملہ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ سے معلوم ہوا کہ انبیاء و ملائکہ کی عداوت کفر ہے اور محبوبان حق سے دشمنی کرنا خدائے تعالیٰ سے دشمنی کرنا ہے۔

پہلی شریعتوں میں روزہ افطار کرنے کے بعد کھانا پینا اور ہم بستری کرنا عشاء کی نماز تک جائز تھا۔ بعد نماز عشاء یہ ساری چیزیں رات میں بھی حرام ہو جاتی تھیں۔ یہ حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ تک باقی رہا۔ یہاں تک کہ رمضان شریف کی رات میں نماز عشاء کے بعد عمر رضی اللہ عنہ سے ہم بستری ہوگئی جس پر وہ بہت نادم اور شرمندہ ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا تو اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ۔ اس آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا (یعنی ان سے ہم بستری کرنا) تمہارے لئے حلال ہوگیا۔ (پ ۲، ع ۷)

بشر نامی ایک منافق تھا اس کا ایک یہودی سے جھگڑا تھا۔ یہودی نے کہا چلو سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرالیں۔ منافق نے خیال کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حق فیصلہ کریں گے کبھی کسی کی طرفداری اور رعایت نہ فرمائیں گے۔ جس سے اس کا مطلب حاصل نہ ہو سکے گا اس لئے اس نے مدعی ایمان ہونے کے باوجود کہا کہ ہم کعب بن اشرف یہودی کو پنچ بنائیں گے۔ یہودی جس کا معاملہ تھا وہ خوب جانتا تھا کہ کعب رشوت خور ہے اور جو رشوت خور ہوتا ہے اس سے صحیح فیصلہ کی اُمید رکھنا غلط ہے اس لئے کعب کے ہم مذہب

ہونے کے باوجود یہودی نے اس کو پنچ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تو منافق کو فیصلہ کیلئے سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں مجبوراً آنا پڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حق فیصلہ کیا وہ اتفاق سے یہودی کے موافق اور منافق کے مخالف ہوا۔ منافق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ سننے کے بعد پھر یہودی کے درپے ہوا اور اسے مجبور کر کے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس لایا۔ یہودی نے آپ سے عرض کیا کہ میرا اور اس کا معاملہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم طے فرما چکے ہیں۔ لیکن یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو نہیں مانتا آپ سے فیصلہ چاہتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ٹھہرو میں ابھی آ کر فیصلہ کئے دیتا ہوں۔ یہ فرما کر مکان میں تشریف لے گئے اور تلوار لا کر اس منافق مدعیِ ایمان کو قتل کر دیا اور فرمایا جو اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کو نہ مانے اس کے متعلق میرا یہی فیصلہ ہے تو بیان واقعہ کیلئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۔ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا (پ۵ ع۶) کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جن کا دعویٰ ہے کہ وہ ایمان لائے اس پر جو تمہاری طرف اُترا اور اس پر جو تم سے پہلے اُترا پھر چاہتے ہیں کہ اپنا پنچ شیطان کو بنائیں اور ان کو تو حکم یہ تھا کہ اسے ہرگز نہ مانیں اور ابلیس یہ چاہتا ہے انہیں دُور بھگا دے۔ (تفسیر جلالین وصاوی)

پھر کسی نے سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مسلمان کو قتل کر دیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں فیصلہ کیلئے حاضر ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے عمر سے ایسی اُمید نہیں کہ وہ کسی مومن کے قتل پر ہاتھ اُٹھانے کی جرأت کر سکے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے پھر مندرجہ ذیل آیت مبارکہ نازل فرمائی۔ (تاریخ الخلفاء، ص ۸۴)

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۔ یعنی تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ لوگ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ تسلیم کر لیں۔ پھر جو کچھ تم حکم فرما دو اپنے دلوں میں اسے رُکاوٹ نہ پائیں اور دل سے مان لیں۔

(پ۵ ع۶)

ان واقعات سے خداوند قدوس کی بارگاہ میں حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی عزت وعظمت کا پتہ چلتا ہے کہ ان کی باتوں کے موافق وحی الٰہی اور قرآن مجید کی آیتیں نازل ہوتی تھیں۔ مزید تفصیل جاننے کیلئے تاریخ الخلفاء وغیرہ کا مطالعہ کریں۔

آپ کی خلافت

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کا واقعہ علامہ واقدی کی روایت کے مطابق یوں ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طبیعت علالت کے سبب بہت زیادہ ناساز ہوگئی تو آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بلایا جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں اور ان سے فرمایا کہ عمر کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ میرے خیال میں تو وہ اس سے بھی بڑھ کر ہیں جتنا کہ آپ ان کے بارے میں خیال فرماتے ہیں۔ پھر آپ نے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بلا کر ان سے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں دریافت فرمایا۔ اُنہوں نے بھی یہی کہا کہ مجھ سے زیادہ آپ ان کے بارے میں جانتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ کچھ تو بتلاؤ۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان کا باطن ان کے ظاہر سے اچھا ہے اور ہم لوگوں میں ان کا مثل کوئی نہیں۔ پھر آپ نے سعید بن زید، اُسید بن حضیر اور دیگر انصار ومہاجرین حضرات سے بھی مشورہ لیا اور ان کی رائیں معلوم کیں۔ حضرت اُسید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خدائے تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں۔ وہ اللہ کی رضا پر راضی رہتے ہیں اور اللہ جس سے ناخوش ہوتا ہے اس سے وہ بھی ناخوش رہتے ہیں اور ان کا باطن ان کے ظاہر سے بھی اچھا ہے اور کارِ خلافت کیلئے ان سے زیادہ مستعد اور قوی شخص کوئی نظر نہیں آتا۔ پھر کچھ اور صحابۂ کرام آئے۔ ان میں سے ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سخت مزاجی سے آپ واقف ہیں۔ اس کے باوجود اگر آپ ان کو خلیفہ مقرر کریں گے تو خدائے تعالیٰ کے یہاں کیا جواب دیں گے؟ آپ نے فرمایا خدا کی قسم تم نے مجھ کو خوف زدہ کر دیا مگر میں بارگاہ خداوندی میں عرض کروں گا کہ یا الٰہ العالمین! میں نے تیرے بندوں میں سے بہترین شخص کو خلیفہ بنایا ہے اور اے اعتراض کرنے والے یہ جو کچھ میں نے کہا ہے تم دوسرے لوگوں کو بھی پہنچا دینا۔

اس کے بعد آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا لکھئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ یہ وصیف نامہ ہے جو ابوبکر بن ابوقحافہ نے اپنے آخری زمانہ میں دُنیا سے رُخصت ہوتے وقت اور عہد آخرت کے شروع میں عالم بالا میں داخل ہوتے وقت لکھایا ہے۔ یہ وہ وقت ہے جبکہ ایک کافر بھی ایمان لے آتا ہے۔ ایک فاسق وفاجر بھی یقین کی روشنی حاصل کر لیتا ہے اور ایک جھوٹا بھی سچ بولتا ہے۔ مسلمانو! اپنے بعد میں نے تمہارے اُوپر عمر بن خطاب کو خلیفہ منتخب کیا ہے۔ ان کے احکام کو سننا اور ان کی اطاعت وفرمانبرداری کرنا۔ میں نے حتی الامکان خدا اور رسول، دین اور اپنے نفس کے بارے میں کوئی تقصیر وغلطی نہیں کی ہے اور جہاں تک ہو سکا تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ (یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) عدل وانصاف سے کام لیں گے۔ اگر اُنہوں نے ایسا کیا تو میرے خیال کے مطابق ہوگا اور اگر اُنہوں نے عدل وانصاف کو چھوڑ دیا اور بدل گئے تو ہر شخص اپنے کئے کا جواب دہ ہوگا اور اے مسلمانو! میں نے تمہارے لئے نیکی اور بھلائی ہی کا قصد کیا ہے۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ۔ (پ ۱۹، ع ۱۵) یعنی اور ظالم عنقریب جانیں گے کہ وہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

پھر آپ نے اس وصیت نامہ کو سربمہر کرنے کا حکم فرمایا۔ جب وہ مہر بند ہوگیا تو آپ نے اسے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حوالے کر دیا جسے لے کر وہ گئے لوگوں نے راضی خوشی سے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ اس کے بعد آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تنہائی میں بلا کر کچھ وصیتیں فرمائیں اور جب وہ چلے گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ الٰہی میں دُعا کیلئے ہاتھ اُٹھایا اور عرض کیا یا الٰہ العالمین! یہ جو کچھ میں نے کیا ہے اس سے میری نیت مسلمانوں کی فلاح وبہبود ہے۔ تو اس بات سے خوب واقف ہے کہ میں نے فتنہ وفساد کو روکنے کیلئے ایسا کام کیا ہے۔ میں نے اِس کے بارے میں اپنی رائے کے اجتہاد سے کام لیا ہے۔ مسلمانوں میں جو سب سے بہتر ہے میں نے اس کو ان کو والی بنایا ہے اور وہ ان میں سب سے قوی اور نیکی پر حریص ہے۔

اور یا اللہ العالمین! میں تیرے حکم سے تیری بارگاہ میں حاضر ہو رہا ہوں۔ خداوندا! تو ہی اپنے بندوں کا مالک ومختار ہے اور ان کی باگ ڈور تیرے ہی دست قدرت میں ہے۔ یا الہٰ العالمین! ان لوگوں میں درستگی اور صلاحیت پیدا کرنا اور عمر رضی اللہ عنہ کو خلفاء راشدین میں سے کرنا اور ان کے ساتھ ان کی رعیت کو اچھی زندگی بسر کرنے کی توفیق فریق عطا فرما۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

رافضی لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جو اپنی زندگی میں خلیفہ منتخب کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ظاہری زندگی میں کسی کو خلیفہ نہیں بنایا حالانکہ وہ اچھائی اور بُرائی کو خوب جانتے تھے اور اپنی اُمت پر پوری پوری شفقت و رافت رکھتے تھے مگر اس کے باوجود آپ نے اُمت پر کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی زندگی میں خلیفہ نامزد کر دیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کھلی ہوئی مخالفت ہے۔

اس اعتراض کے تین جواب حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ظاہری زندگی میں اُمت پر خلیفہ نہ بنانا کھلا ہوا جھوٹ اور بہتان ہے اس لئے کہ رافضی سب کے سب اس بات کے قائل ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا تھا۔ لہٰذا اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی سنت نبوی کی پیروی میں خلیفہ منتخب کر دیا تو اس میں مخالفت کہاں سے لازم آ گئی اور اگر جواب کی بنیاد مذہب اہلسنّت پر رکھیں تو اہلسنّت کے محققین اس بات کے قائل ہیں کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز اور حج میں اپنا نائب خلیفہ بنایا ہے اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رمز شناس، آپ کے کاموں کی باریکیوں سے آگاہ اور آپ کے اشاروں کو اچھی طرح سمجھتے تھے ان کیلئے اتنا ہی اشارہ کافی تھا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صرف اس نقطۂ نظر سے خلافت نامہ لکھوایا کہ عرب وعجم کے نو مسلم بغیر تصریح و تنصیص کے اس سے واقف نہ ہو سکیں گے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وجہ سے خلیفہ نہیں مقرر

فرمایا کہ آپ وحی الٰہی سے پورے یقین کے ساتھ جانتے تھے کہ آپ کے بعد حضرت ابوبکر ہی خلیفہ ہوں گے صحابہ انہی پر اتفاق کریں گے اور کوئی دوسرا اس میں دخل اندازی نہیں کر سکے گا۔ چنانچہ احادیث کریمہ جو اہلسنّت کی صحیح کتابوں میں موجود ہیں اس بات پر واضح طریقے سے دلالت کرتی ہیں مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یَـابَی اللّٰہُ وَ الْمُؤمِنُوْنَ اِلَّا اَبـا بَـکـر ۔ یعنی اللہ اور مسلمان ابوبکر کے سوا کسی کو قبول نہ کریں گے اور حدیث شریف میں ہے فَـاِنَّـہٗ الْخَلِیْفَۃُ مِنْ بَعْدِیْ ۔ یعنی میرے بعد ابوبکر خلیفہ ہوں گے۔ رضی اللہ عنہ۔
اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین کامل تھا کہ خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہوں گے تو خلافت نامہ لکھنے کی کوئی حاجت نہ تھی۔ چنانچہ مسلم شریف میں ہے کہ مرض وفات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے کو بلایا تاکہ خلافت نامہ لکھیں۔ پھر فرمایا کہ خدائے تعالیٰ اور مسلمان ابوبکر کے علاوہ کسی اور کو خلیفہ نہیں بنائیں گے۔ لکھنے کی حاجت کیا ہے؟ تو آپ نے ارادہ ترک فرما دیا۔ بخالف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کہ آپ کے پاس وحی نہیں آتی تھی اور نہ آپ کو اس بات کا قطعی علم تھا کہ میرے بعد لوگ بلاشبہ عمر بن خطاب کو خلیفہ بنائیں گے اور اپنی عقل سے اسلام اور مسلمانوں کیلئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو اچھا سمجھتے تھے اس لئے ان پر ضروری تھا کہ جس چیز میں اُمت کی بھلائی دیکھیں اس پر عمل کریں۔ بحمد اللہ تعالیٰ آپ کی عقل نے صحیح کام کیا کہ اسلام کی شوکت، انتظام اُمور سلطنت اور کافروں کی ذلت جس قدر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ہوئی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔

اور تیسرا جواب یہ ہے کہ خلیفہ نہ بنانا اور چیز ہے اور خلیفہ بنانے سے منع کرنا اور چیز ہے۔ مخالفت جب لازم آتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلیفہ بنانے سے روکے ہوتے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنا دیتے اور اگر خلیفہ بنانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنا ہے تو لازم آئے گا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔ العیاذ باللہ تعالیٰ (تحفۂ اثناعشریہ ص ۲۸ ، ۵۲۷)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد خلیفہ بنا کر نہایت عقلمندی اور دانشمندی سے کام لیا۔ اس لئے کہ وہ جانتے تھے اسلام اپنی خوبیوں کی

بنا پر روز بروز پھیلتا ہی جائے گا۔ بڑی بڑی سلطنتیں زیر نگیں ہوں گی اور بڑے بڑے ممالک فتح ہوں گے جہاں سے بہت مال غنیمت آئے گا۔ لوگ خوشحال و مالدار ہو جائیں گے اور مالداری کے بعد اکثر دُنیا داری آ جاتی ہے دینداری کم ہو جاتی ہے۔ اس لئے اب میرے بعد عمر رضی اللہ عنہ جیسے شخص کو خلیفہ ہونا ضروری ہے جو دین کے معاملہ میں بہت سخت ہیں اور شریعت کے معاملہ میں کسی کی پروانہیں کرتے ہیں۔

حضرت سفیان ثوری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے یہ خیال کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے زیادہ خلافت کے مستحق اور حقدار حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے تو اس نے حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو خطا کار ٹھہرانے کے ساتھ تمام انصار و مہاجرین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بھی خطا کار ٹھہرایا۔

العیاذ باللہ تعالیٰ (تاریخ الخلفاء، ص ۸۳)

کرامات حضرت عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے بہت سی کرامتیں بھی ظاہر ہوئیں ہیں۔ جن میں سے چند کرامتوں کا ذکر کیا جاتا ہے علامہ ابونعیم نے دلائل میں حضرت عمر بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جمعہ کا خطبہ فرما رہے تھے یکایک آپ نے درمیان میں خطبہ چھوڑ کر تین بار یہ فرمایا یا سارِیَۃَ الْجَبَل یعنی اے ساریہ! پہاڑ کی طرف جاؤ۔ یَا سَارِیَۃَ الْجَبَل' اے ساریہ پہاڑ کی طرف جاؤ۔ یَا سَارِیَۃَ الْجَبَل' اے ساریہ پہاڑ کی طرف جاؤ۔ اس طرح حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو پکار کر پہاڑ کی طرف جانے کا حکم دیا اور اس کے بعد پھر خطبہ شروع فرما دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے بعد نماز حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ تو خطبہ فرما رہے تھے پھر یکایک بلند آواز سے کہنے لگے یَا سَارِیَۃَ الْجَبَل ۔ تو یہ کیا معاملہ تھا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا قسم ہے خدائے ذوالجلال کی میں ایسا کہنے پر مجبور ہو گیا تھا رَاَیْتُھُمْ یُقَاتِلُوْنَ عِنْدَ جَبَلٍ یُؤْتَوْنَ مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْھِمْ وَ مِنْ خَلْفِھِمْ لَمْ اَمْلِكْ اَنْ قُلْتُ یَا سَارِیَۃَ الْجَبَل ۔ یعنی میں نے مسلمانوں کو دیکھا کہ وہ پہاڑ کے پاس لڑ رہے ہیں اور کفار ان کو آگے اور پیچھے سے گھیرے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور میں نے کہہ دیا اے

سار یہ! پہاڑ کی طرف جاؤ۔

اس واقعہ کے کچھ روز بعد حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کا قاصد ایک خط لے کر آیا جس میں لکھا تھا کہ ہم لوگ جمعہ کے دن کفار سے لڑ رہے تھے اور قریب تھا کہ ہم شکست کھا جاتے کہ عین جمعہ کی نماز کے وقت ہم نے کسی کی آواز سنی یَا سَارِیَۃُ الْجَبَل ۔اے ساریہ! پہاڑ کی طرف ہٹ جاؤ۔اس آواز کو سن کر ہم پہاڑ کی طرف چلے گئے۔تو خدائے تعالیٰ نے کافروں کو شکست دی ہم نے انہیں قتل کر ڈالا۔اس طرح ہم کو فتح حاصل ہوگئی۔(تاریخ الخلفاء ص ۸۶)

حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ نہاوند میں لڑائی کر رہے تھے جو ایران میں صوبہ آذر بائیجان کے پہاڑی شہروں میں سے ہے اور مدینہ طیبہ سے اتنی دُور ہے کہ اُس زمانہ میں وہاں سے چل کر ایک ماہ کے اندر نہاوند نہیں پہنچ سکتے تھے۔جیسا کہ حاشیہ اشعۃ اللمعات جلد چہارم ص ۶۰۱ میں ہے کہ ''نہاوند در (ایران) صوبہ آذر بائیجان از بلاد جبال ست کہ از مدینہ بیک ماہ آنجا نتواں رسید......تو جب نہاوند مدینہ طیبہ سے اِتنی دُور ہے کہ اس زمانہ میں آدمی وہاں سے چل کر ایک ماہ میں نہاوند نہیں پہنچ سکتا تھا مگر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں خطبہ فرماتے ہوئے حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو نہاوند میں لڑتے ہوئے ملاحظہ فرمایا اور آپ نے یہ بھی دیکھا کہ دُشمن مسلمانوں کو آگے پیچھے سے گھیرے ہوئے ہیں اور پہاڑ قریب میں ہیں۔پھر آپ نے انہیں آواز دے کر پہاڑ کی طرف جانے کا حکم فرمایا اور بغیر کسی مشین کی مدد کے اپنی آواز کو وہاں تک پہنچا دیا۔یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کھلی ہوئی کرامت ہے۔

ہر کہ عشق مصطفیٰ سامانِ اوست　　　بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی اس کرامت کو امام بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کی ہے جو حدیث کی مشہور و معتمد کتاب مشکوٰۃ شریف کے صفحہ ۵۴۶ پر بھی لکھی ہوئی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا جُمرہ یعنی چنگاری۔پھر آپ نے اس کے باپ کا نام دریافت فرمایا تو اس نے کہا شہاب یعنی شعلہ۔پھر آپ نے اس سے پوچھا

تمہارے قبیلہ کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا حُرقہ یعنی آگ۔ اور جب آپ نے اس کے رہنے کی جگہ دریافت کی تو اس نے حُرہ بتایا یعنی گرمی۔ آپ نے پوچھا کہ حُرہ کہا ہے؟ اس نے کہا ذات نلظی (شعلہ والی) جگہ میں ان سارے جوابات کو سننے کے بعد حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا اَدْرِكْ اَهْلَكَ فَقَدِ احْتَرَقُوْا ۔ یعنی اپنے اہل و عیال کی خبر لو کہ وہ سب جل کر مر گئے۔ جب وہ شخص اپنے گھر واپس ہوا تو دیکھا واقعی اس کے گھر کو آگ لگ گئی تھی اور سب لوگ جل کر مر گئے تھے۔ (تاریخ [illegible] ص ۸۶)

حضرت ابوالشیخ کتاب العصمت میں حضرت قیس بن حجاج رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مصر فتح کیا تو اہل عجم ایک مقررہ دن پر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا یَآیُّهَا الْاَمِيْرُ اِنَّ لِنِيْلِنَا هٰذَا سُنَّةٌ لَا يَجْرِىْ اِلَّابِهَا ۔ یعنی اے حاکم! ہمارے اس دریائے نیل کیلئے ایک پُرانا طریقہ چلا آ رہا ہے کہ جس کے بغیر وہ جاری نہیں رہتا ہے بلکہ خشک ہو جاتا ہے اور ہماری کھیتی کا دارومدار اسی دریائے نیل کے پانی ہی پر ہے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا کہ دریائے نیل کے جاری رہنے کا وہ پُرانا طریقہ کیا ہے؟ ان لوگوں نے کہا کہ جب اس مہینہ کے چاند کی گیارہویں تاریخ آتی ہے تو ہم لوگ ایک کنواری جوان لڑکی کو منتخب کر کے اس کے ماں باپ کو راضی کرتے ہیں پھر اسے بہترین قسم کے زیورات اور کپڑے پہناتے ہیں اس کے بعد لڑکی کو دریائے نیل میں ڈال دیتے ہیں۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا اِنَّ هٰذَا لَا يَكُوْنُ اَبَدًا فِى الْاِسْلَامِ ۔ یعنی اسلام میں ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ یہ تمام باتیں لغو اور بے سروپا ہیں۔ اسلام اس قسم کی تمام باطل باتوں کو مٹانے آیا ہے۔ وہ لڑکی کو دریائے نیل میں ڈالنے کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا۔ آپ کے اس جواب کے بعد وہ لوگ واپس چلے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد واقعی دریائے نیل بالکل خشک ہو گیا یہاں تک کہ بہت سے لوگ وطن چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے یہ معاملہ دیکھا تو ایک خط لکھ کر حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو سارے حالات سے مطلع کیا۔ آپ نے خط پڑھنے کے بعد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو تحریر فرمایا کہ تم نے مصریوں کو بہت عمدہ

جواب دیا۔ بے شک اسلام اس قسم کی تمام لغو اور بیہودہ باتوں کو مٹانے کیلئے آیا ہے۔ میں اس خط کے ہمراہ ایک رقعہ روانہ کر رہا ہوں تم اس کو دریائے نیل میں ڈال دینا۔

جب وہ رقعہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو پہنچا تو آپ نے اسے کھول کر پڑھا اس میں لکھا ہوا تھا کہ......

مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِلٰى نِيْلِ مِصْرَ ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِنْ كُنْتَ تَجْرِيْ مِنْ قِبَلِكَ فَلَا تَجْرِ وَاِنْ كَانَ اللّٰهُ يُجْرِيْكَ فَاَسْاَلُ اللّٰهَ الْوَاحِدَ الْقَهَّارَ اَنْ يُّجْرِيَكَ ۔

یعنی اللہ کے بندے عمر امیر المؤمنین کی طرف سے مصر کے دریائے نیل کو معلوم ہو کہ اگر تو بذات خود جاری ہوتا ہے تو مت جاری ہو اور اگر خدائے عزوجل تجھ کو جاری فرماتا ہے تو میں اللہ واحد قہار سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے جاری فرمادے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس رُقعہ کو رات کے وقت دریائے نیل میں ڈال دیا۔ مصر والے جب صبح کو نیند سے بیدار ہوئے تو دیکھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُس کو اِس طرح جاری فرمادیا ہے کہ سولہ ہاتھ پانی اور چڑھا ہوا ہے۔ پھر دریائے نیل اس طرح کبھی نہیں سوکھا اور مصر والوں کی یہ جاہلانہ رسم ہمیشہ کیلئے ختم ہوگئی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۸۷)

یہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی کرامت ہے کہ آپ نے دریائے نیل کے نام خط لکھا اور خدائے عزوجل سے دُعا کی۔ تو وہ دریائے نیل جو ہر سال ایک کنواری لڑکی کی جان لئے بغیر جاری نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خط سے ہمیشہ کیلئے جاری ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ آپ بحر و بر دونوں پر حکومت فرماتے تھے۔ ایک شاعر نے بہت خوب کہا ہے۔

یاد او گر مونس جانت بود
ہر دو عالم زیر فرمانت بود

خلافت فاروقی کا زمانہ تھا ایک عجمی شخص مدینہ طیبہ میں آیا جو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو تلاش کر رہا تھا۔ کسی نے بتایا کہ کہیں آبادی کے باہر سو رہے ہوں گے۔ وہ شخص آبادی کے باہر نکل کر آپ کو تلاش کرنے لگا یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس حالت میں پایا کہ وہ زمین پر سر کے نیچے زرہ رکھے ہوئے سو رہے تھے۔ اس نے دل میں سوچا

ساری دُنیا میں اس شخص کی وجہ سے فتنہ برپا ہے۔ اس لئے کہ اس وقت ایران اور دُوسرے ملکوں میں اسلامی فوجوں نے تہلکہ مچا رکھا تھا۔ لہٰذا اس کو قتل کر دینا ہی مناسب ہے اور آسان بھی ہے اس لئے کہ آبادی کے باہر سوتے ہوئے شخص کو مار ڈالنا کوئی مشکل بات نہیں۔ یہ سوچ کر اس نے نیام سے تلوار نکالی اور آپ کی ذات بابرکات پر وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ غیب سے دو شیر نمودار ہوئے اور اس عجمی کی طرف بڑھے۔ اس منظر کو دیکھ کر وہ چیخ پڑا۔ اس کی آواز سے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جاگ اُٹھے۔ آپ کے بیدار ہونے پر اس نے اپنا سارا واقعہ بیان کیا اور پھر مسلمان ہو گیا۔ (سیرت خلفائے راشدین)

یہ بھی آپ کی ایک کرامت ہے کہ شیر جو انسان کے جان لیوا ہیں وہ آپ کی حفاظت کیلئے نمودار ہو گئے اور کیوں نہ ہو کہ مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ یعنی جو اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا ہو جاتا ہے اور اس طرح اس کی حفاظت فرماتا ہے۔

مقام رفیع

حضرت علامہ امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سورۂ کہف کی آیت کریمہ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْکَھْفِ الخ کی تفسیر میں بخاری شریف کی حدیث اِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَ بَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَرِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا (۱) نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں اَلْعَبْدُ اِذَا وَاظَبَ عَلَی الطَّاعَاتِ بَلَغَ الْمَقَامَ الَّذِیْ یَقُوْلُ اللّٰہُ کُنْتُ لَہٗ سَمْعًا وَّ بَصَراً فَاِذَا صَارَ نُوْرُ جَلَالِ اللّٰہِ سَمْعًا لَہٗ سَمِعَ الْقَرِیْبَ وَ الْبَعِیْدَ وَ اِذَا صَارَ ذٰلِکَ النُّوْرُ یَداً لَہٗ قَدَرَ عَلَی التَّصَرُّفِ فِی السَّھْلِ وَ الصَّعْبِ وَ الْقَرِیْبِ وَالْبَعِیْدِ .... یعنی جب کوئی بندہ نیکیوں پر ہمیشگی اختیار کرتا ہے تو اس مقام رفیع تک پہنچ جاتا ہے کہ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کُنْتُ لَہٗ سَمْعًا وَّ بَصَراً فرمایا ہے۔ تو جب اللہ کے جلال کا نور اس کی سمع ہو جاتا ہے تو وہ دُور و نزدیک کی آواز کو سن لیتا ہے اور جب یہی نور اس کی نظر ہو جاتا ہے تو وہ دُور و نزدیک کی چیزوں کو دیکھ لیتا ہے اور جب یہی نور جلال اس کا ہاتھ ہو جاتا ہے تو وہ بندہ آسان و مشکل اور دُور و نزدیک کی چیزوں میں تصرف کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور غسانی بادشاہ جُبلہ بن الایہم

اوس وخزرج کے بعض قبیلوں نے ملک شام میں ایک چشمہ پر جس کا نام غسان تھا ڈیرہ ڈالا اور اس علاقہ کے کچھ شہروں پر قبضہ کر لینے کے بعد ایک عظیم الشان سلطنت قائم کر دی اور ملوک غسانیہ کے معزز نام سے مشہور ہو گئے۔ ملوک غسان میں سب سے پہلا بادشاہ جفنہ ہوا ہے اور سب سے آخری بادشاہ جبلہ بن الایہم۔ وہ پہلے بت پرست تھے۔ پھر رومی بادشاہوں کے ساتھ تعلق کی وجہ سے اپنا قدیم مذہب چھوڑ کر عیسائی ہو گئے تھے۔ قریش مکہ کے بعد سب سے زیادہ جن کو اسلام کی قوت توڑ دینے اور اس کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی فکر تھی وہ ملوک غسان تھے۔ عرب کے دوسرے قبیلے اگرچہ مقابلہ کیلئے آمادہ ہوئے تھے لیکن ان کے پاس باقاعدہ لشکر نہ تھا اور نہ کسی قسم کا اہم ساز و سامان تھا مگر غسانیوں کی سلطنت نہایت باقاعدہ اور منظم تھی اور ان کا لشکر بھی آراستہ تھا اور سب سے زیادہ یہ کہ ایک زبردست بادشاہ قیصر روم سے ان کے تعلقات تھے جو ہر وقت ان کی امداد پر آمادہ اور مستعد تھا۔

ملک غسان مسلمان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کیلئے سوچ ہی رہا تھا کہ اسی دولان میں سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد حضرت شجاع بن وہب الاسعدی رضی اللہ عنہ اس کے نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خط لے کر ایسے وقت پہنچے جب کہ قیصر روم کسریٰ کے مقابلہ سے فارغ ہو کر شکرانہ ادا کرنے کیلئے بیت المقدس آیا ہوا تھا اور غسان کا بادشاہ اس کی دعوت کے انتظام میں مشغول تھا۔ اسی سبب سے کئی روز تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد حضرت شجاع رضی اللہ عنہ کو وہاں ٹھہرنا پڑا اور کئی روز تک رسائی نہ ہو سکی۔ آخر کسی طرح ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد ملک غسان کے سامنے پیش ہوئے اور اُنہوں نے جو نامۂ مبارک اس کو دیا اس کا مضمون یہ تھا۔ اِنِّیْ اَدْعُوْكَ اِلٰی اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ یبقٰی لَكَ مُلْكُكَ ۔ یعنی میں تم کو صرف ایک خدا پر ایمان لانے کی طرف بلاتا ہوں۔ اگر تم ایمان لے آئے تو تمہارا ملک تمہارے لئے باقی رہے گا۔

شاہ غسان سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پڑھ کر بھڑک اُٹھا اور غصہ سے کہا کہ میرا ملک کون چھین سکتا ہے؟ میں خود مدینہ پر حملہ کروں گا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں اور قاصد سے کہا کہ جا کر یہی بات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہہ دینا۔

حضرت شجاع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ پہنچ کر جب میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غسان کے بادشاہ کی پوری کیفیت بیان کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بَادَ مُلْکُهٗ ۔ یعنی اس کا ملک تباہ و برباد ہو گیا۔

سیرۃ حلبیہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک حارث غسانی کے نام تھا اور ابن ہشام وغیرہ دوسرے مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت شجاع رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک جبلہ بن الایہم کے یہاں لے کر گئے تھے۔

الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک بھیجنے کا یہ اثر ہوا کہ جو آگ اندر ہی اندر سلگ رہی تھی وہ بھڑک اُٹھی اور ملک غسان اپنی پوری قوت کے ساتھ آمادۂ جنگ ہوا یہاں تک کہ غسانیوں ہی کی عداوت کے نتیجہ میں موتہ کا سخت ترین معرکہ ہوا جس میں مسلمانوں کو بڑا نقصان اُٹھانا پڑا کہ بہت سے سپاہی اور کئی ایک چیدہ و برگزیدہ سپہ سالار اس جنگ میں شہید ہو گئے۔

مدینہ طیبہ پر غسانی بادشاہ کے حملہ کی خبر جب قاصد کے ذریعہ پہنچی تو مسلمان بہت تشویش اور فکر میں ہوئے کہ اگرچہ اللہ کے محبوب دانائے خفایا وغیوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ملک غسان خائب و خاسر ہو گا اور اس کا ملک تباہ و برباد ہو گا لیکن مدینہ شریف پر اس کے حملہ سے نہ معلوم کتنی جانیں ضائع ہوں گی، کتنی عورتیں بیوہ ہو جائیں گی اور نہ معلوم کتنے بچے یتیم ہو جائیں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے حملہ سے مدینہ طیبہ کو محفوظ رکھا...... غسانی بادشاہ جس کے مدینہ شریف پر حملہ کرنے کی خبر گرم تھی وہ حارث تھا یا جبلہ بن الایہم؟ اس میں اختلاف ہے۔ طبرانی میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے جو روایت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غسانی بادشاہ جبلہ بن الایہم تھا۔

الغرض جبلہ بن الایہم نے مسلمانوں سے دشمنی ظاہر کرنے میں کوئی کمی نہیں رکھی مگر اس کے باوجود وہ اسلام کی خوبیوں سے واقف تھا۔ اس کے کانوں تک اسلام کی اچھائیاں پہنچتی رہتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی دلیلوں اور نشانیوں کا بھی اسے علم تھا۔ انصار حضرات کا مسلمان ہو کر سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے یہاں ٹھہرانا اور ان کی حفاظت وحمایت کیلئے جان و مال کو قربان کر دینا بھی آہستہ آہستہ اس کے اندر اسلام کی محبت

پیدا کر رہا تھا اس لئے کہ انصار اور جبلہ دونوں ایک ہی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے...... بالآخر اسلام کی محبت اس کے دل میں بڑھتی گئی یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں وہ محبت اس قدر بڑھ گئی کہ اس نے خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ میں اسلام میں داخل ہونے کیلئے آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں۔ آپ نے نہایت خوشی سے تحریر فرمایا کہ تم بلا کھٹک چلے آ ؤ وَلَكَ مَا لَنَا وَ عَلَيْكَ مَا عَلَيْنَا ۔ یعنی ہر حال میں تم ہماری طرح ہو جاؤ گے۔

جبلہ بادشاہ اپنے قبیلہ عک اور غسان کے پانچ سو آدمیوں کو ہمراہ لے کر روانہ ہوا۔ جب مدینہ منورہ صرف دو منزل رہ گیا تو اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اطلاع بھیجی کہ میں حاضر ہو رہا ہوں اور اپنے لشکر کے دو سو سواروں کو حکم دیا کہ زربفت و حریر کی سرخ و زرد وردیاں پہنیں اور گھوڑوں پر دیباج کی جھولیں ڈال کر ان کے گلے میں سونے کے طوق پہنائیں اور اپنا تاج سر پر رکھا پھر پوری شان دکھلانے کیلئے اپنے خاندان کی بہترین اور مایہ ناز ''قرط ماریہ'' تاج میں لگائیں۔ ماریہ تمام غسانی بادشاہوں کی دادی تھی۔ اس کے پاس دو بالیاں تھیں جن میں دو موتی کبوتر کے انڈے کے برابر لگے ہوئے تھے۔ یہ بالیاں اپنی خوبصورتی اور بیش قیمت موتیوں کی وجہ سے بے مثل سمجھی جاتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ پوری دُنیا کے بادشاہوں کے خزانوں میں ایسے موتی اور ایسی بالیاں نہیں تھیں۔ ملوک غسان کو ان پر فخر تھا اور وہ ان بیش قیمت اور نادر ہونے کے علاوہ اپنی صاحب اقبال دادی کی یادگار سمجھ کر ان بالیوں کا نہایت احترام کرتے تھے اور اسی وجہ سے جبلہ نے یہ دکھلانے کو کہ اپنی اس شاہانہ حیثیت اور حالت آزادی وخود مختاری کو چھوڑ کر دین اسلام میں داخل ہو کر امیر المؤمنین کی پیروی کو گوارا کرتا ہوں۔ ان بیش قیمت بالیوں کو بھی اپنے تاج میں لگا لیا تھا اس طرح بڑی شان وشوکت کے ساتھ مدینہ طیبہ میں داخل ہونے کو تیار ہوا۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو جبلہ کے استقبال کرنے اور تعظیم و تکریم کے ساتھ اُتارنے کا حکم دیا۔ مدینہ منورہ میں خوشی اور مسرت کا جوش پھیلا ہوا تھا۔ بچے اور بوڑھے سبھی اس جلوس کے نظارہ کو دیکھنے کیلئے اپنے اپنے گھروں سے نکل پڑے۔ مسلمانوں کیلئے حقیقت میں اس سے بڑھ کر خوشی کی اور کون سی بات ہو سکتی تھی کہ مذہب

اسلام جس کے پھیلانے کی خدمت اس کے سپرد ہوئی تھی اس کی اندر اس طرح راضی اور خوشی سے بڑے بڑے بادشاہ داخل ہوں۔ مگر اس وقت یہ خوشی اس وجہ سے اور دوبالا ہو رہی تھی کہ وہی غسان کا بادشاہ جس کے حملہ کا چرچا مدینہ طیبہ میں گھر گھر تھا اور جس کے ڈر سے سب سہم رہے تھے۔ آج وہی بادشاہ اس طرح سر تسلیم خم کئے ہوئے مدینہ منورہ میں داخل ہو رہا ہے یہ سب خدائے تعالیٰ کی قدرت اور اسلام کی ایک کرامت تھی اور اسی وجہ سے سب چھوٹے بڑے اس جلوس کو دیکھنے کیلئے نکل کھڑے ہوئے۔

الغرض بڑی شان و شوکت اور نہایت تعظیم و تکریم سے استقبالیہ جماعت کے جھرمٹ میں شاہانہ جلوس کے ساتھ جبلہ مدینہ طیبہ میں داخل ہوا۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مہمان داری کے مراسم میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور مدینہ طیبہ میں ان نئے مہمانوں کی آمد سے خوب چہل پہل رہی...... اتفاق سے زمانۂ حج قریب تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر سال حج کیلئے مکہ معظّمہ حاضر ہوا کرتے تھے۔ اس سال جب وہ حج کیلئے نکلے تو جبلہ بھی ساتھ میں روانہ ہوا۔ وہاں بدقسمتی سے یہ بات پیش آ گئی کہ طواف کی حالت میں جبلہ کی لنگی پر جو بوجہ شان بادشاہی زمین پر گھسٹتی ہوئی جا رہی تھی قبیلہ فزارہ کے ایک شخص کا پاؤں پڑ گیا۔ جس کے سبب لنگی کھل گئی۔ جبلہ کو غصہ آیا اور اس نے اتنی زور سے منہ پر گھونسا مارا کہ اس کی ناک ٹیڑھی ہو گئی۔

یہ مقدمہ خلافت کی عدالت میں پہنچا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بغیر کسی رعایت کے حق فیصلہ کرتے ہوئے جبلہ سے فرمایا کہ یا تو تم کسی طرح مدعی کو راضی کر لو ورنہ بدلہ دینے کیلئے تیار ہو جاؤ جبلہ جو اپنے کو بڑی شان والا سمجھتا تھا۔ یہ خلافِ اُمید فیصلہ اسے سخت ناگوار گزرا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خوب جانتے تھے کہ جبلہ کو یہ فیصلہ ناگوار گزرے گا مگر آپ نے اس کی کوئی پروانہ کی اور بادشاہ کا لحاظ کئے بغیر حق فیصلہ سنا دیا۔ اس نے کہا ایک معمولی آدمی کے عوض مجھ سے بدلہ لیا جائے گا۔ میں بادشاہ ہوں اور وہ ایک عام آدمی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ بادشاہ اور رعیت کو اسلام نے اپنے احکام میں برابر کر دیا ہے۔ کسی کو کسی پر فضیلت ہے تو تقویٰ اور پرہیزگار کے سبب اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ۔ (پ ۲۶، ع ۱۴)

جبلہ نے کہا کہ میں تو یہ سمجھ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوا تھا کہ میں پہلے سے زیادہ معزز

اور محترم ہو کر رہوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسلامی قانون کا فیصلہ یہی ہے جس کی پابندی ہم پر اور تم پر لازم ہے۔ اس کے خلاف کچھ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ تم کو اپنی عزت قائم رکھنی ہے تو اس کو کسی طرح راضی کر لو ورنہ عام مجمع میں بدلہ دینے کو تیار ہو جاؤ۔ جبلہ نے کہا تو میں پھر عیسائی ہو جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا تو اب اس صورت میں تیرا قتل ضروری ہوگا۔ اس لئے کہ جو مرتد ہو جاتا ہے اسلام میں اس کی سزا یہی ہے۔ جبلہ نے کہا اپنے معاملہ میں غور و فکر کرنے کیلئے آپ مجھے ایک رات کی مہلت دیں۔ حضرت نے اس کی یہ درخواست منظور فرما لی اور اسے ایک رات کی مہلت دے دی۔ تو جبلہ اسی رات کو اپنے لشکر کے ساتھ پوشیدہ طور پر مکہ معظمہ سے بھاگ گیا اور قسطنطنیہ پہنچ کر نصرانی بن گیا۔ العیاذ باللّٰہ تعالیٰ

یہ ہے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بے مثال عدالت کہ آپ نے ایک معمولی آدمی کے مقابلہ میں ایسی شان و شوکت والے بادشاہ کی کوئی پروا نہ کی۔ اسے مدعی کے راضی کرنے یا بدلہ دینے پر مجبور کیا اور اس بات کا خیال بالکل نہ فرمایا کہ ایسے جلیل القدر بادشاہ پر اس فیصلہ کا ردعمل کیا ہوگا۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ خلفائے راشدین نے اپنی اسی قسم کی خوبیوں سے اسلام کی جڑوں کو مضبوط فرمایا اور اسے خوب روشن و تابناک بنایا۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

انتباہ

بعض لوگ آپ کے عدل و انصاف کی تعریف کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ آپ کے صاحبزادے ابوشحمہ نے شراب پی اور پھر اسی نشہ کی حالت میں زنا کیا۔ ان باتوں پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو کوڑے لگوائے یہاں تک کہ اسی تکلیف سے بیمار ہو کر ان کا انتقال ہو گیا۔ تو حضرت ابوشحمہ رضی اللہ عنہ کی جانب زنا اور شراب نوشی کی نسبت غلط ہے مشہور ہو گیا۔ معتمد کتاب مجمع البحار میں ہے کہ زنا کی سبت صحیح نہیں البتہ اُنہوں نے نبیذ پی تھی اور نبیذ اس پانی کو کہتے ہیں کہ جس میں کھجور بھگوئی گئی ہو اور اس کی مٹھاس پانی میں اُتر آئی ہو ''عمدۃ الرعایہ'' حاشیہ شرح وقایہ جلد اوّل مجیدی' صفحہ ۸۷ میں ہے ھو الماء الذی تنبذ فیہ تمرات فتخرج حلاوتھا اور نبیذ دو طرح کی ہوتی ہے ایک وہ کہ اس میں نشہ نہیں

ہوتا ایسی نبیذ حلال و پاک ہے اور حضرت سیّدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس سے وضو بنانا بھی جائز ہے بشرطیکہ رقت وسیلان باقی ہو (شرح وقایہ صفحۂ مذکور) اور ایک نبیذ وہ ہوتی ہے جس میں نشہ پیدا ہو جاتا ہے اور وہ حرام ونجس ہوتی ہے۔ حضرت ابوشحمہ رضی اللہ عنہ نے نبیذ پی یہ سمجھ کر کہ یہ حلال ہے نشہ والی نہیں مگر وہ نشہ والی ثابت ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی گرفت فرمائی اور ازراہ عدل وانصاف انہیں سزا دی۔

گورنروں سے شرائط

حضرت حزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جب کسی شخص کو کہیں کا والی مقرر فرماتے تو اس سے چند شرطیں لکھوا لیتے تھے۔ اوّل یہ کہ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہیں ہوگا۔ دوسرے یہ کہ وہ اعلیٰ درجہ کا کھانا نہیں کھائے گا۔ تیسرے یہ کہ وہ باریک کپڑا نہیں پہنے گا۔ چوتھے یہ کہ حاجت والوں کیلئے اپنے دروازہ کو بند نہیں کرے گا اور دربان نہیں رکھے گا۔

پھر جو شخص ان شرائط کی پابندی نہیں کرتا تھا اس کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آتے تھے حاکم مصر عیاض بن غنم کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ ریشم پہنتا ہے اور دربان رکھتا ہے تو آپ نے حضرت محمد بن مسلمہ کو حکم دیا عیاض بن غنم کو جس حالت میں بھی پاؤ گرفتار کر کیلئے آؤ۔ جب عیاض خلیفۂ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے لائے گئے تو آپ نے ان کو کمبل کا کُرتا پہنایا اور بکریوں کا ایک ریوڑ انکے سپرد کیا اور فرمایا کہ جاؤ ان بکریوں کو چراؤ تم انسانوں پر حکومت کرنے کے قابل نہیں ہو۔ یعنی عیاض بن غنم کو گورنر سے ایک چرواہا بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ پوری مملکت اسلامیہ کے حکام اور گورنر آپ کی ہیبت سے کانپتے رہتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ کاروبار خلافت اس وقت تک درست نہیں ہوتا جب تک اس میں اتنی شدت نہ کی جائے جو جبر نہ بن جائے اور نہ اتنی نرمی برتی جائے کہ جو سستی سے تعبیر ہو۔

امام شعبی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ تھا کہ جب آپ کسی حاکم کو کسی صوبہ پر مقرر فرماتے تو اس کے تمام مال واثاثے کی فہرست لکھوا کر اپنے پاس محفوظ کر لیا کرتے تھے ایک بار آپ نے اپنے تمام عمال کو حکم فرمایا کہ وہ اپنے اپنے موجودہ مال واثاثے کی ایک ایک فہرست بنا کر ان کو بھیج دیں۔ انہی عمال میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ

عنہ تھے جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں۔ جب اُنہوں نے اپنے اثاثوں کی فہرست بنا کر بھیجی تو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان کے سارے مال کے دو حصے کئے جن میں سے ایک حصہ ان کیلئے چھوڑ دیا اور ایک حصہ بیت المال میں جمع کر دیا۔ (تاریخ الخلفاء، ص ۹۶)

راتوں میں گشت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ رعایا کی خبر گیری کیلئے بدوی کا لباس پہن کر مدینہ طیبہ کے اطراف میں راتوں کو گشت کرتے تھے۔ ایک بار حسب معمول آپ گشت فرما رہے تھے کہ اُنہوں نے سنا ایک عورت کچھ اشعار پڑھ رہی ہے۔ جس کا خلاصہ ہے کہ......

''رات بہت ہوگئی اور ستارے چمک رہے ہیں مگر مجھے یہ بات جگا رہی ہے کہ میرے ساتھ کوئی کھیلنے والا نہیں ہے۔ تو میں خدائے تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اگر مجھے اللہ کے عذاب کا خوف نہ ہوتا تو اس چار پائی کی چولیں ہلتیں لیکن میں اپنے نفس کے ساتھ اس نگہبان اور مؤکل سے ڈرتی ہوں جس کا کاتب کبھی نہیں تھکتا''۔

اشعار کو سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت سے دریافت فرمایا کہ تیرا کیا معاملہ ہے کہ اس قسم کے اشعار پڑھ رہی ہے؟ اس نے کہا کہ میرا شوہر کئی ماہ سے جنگ پر گیا ہوا ہے اس کی ملاقات کے شوق میں یہ اشعار پڑھ رہی ہوں۔ صبح ہوتے ہی آپ نے اس کے شوہر کو بلانے کیلئے قاصد روانہ فرما دیا اور چونکہ آپ کی زوجۂ محترمہ وفات پا چکی تھیں اس لئے آپ نے اپنی صاحبزادی اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا کہ عورت کتنے زمانے تک شوہر کے بغیر رہ سکتی ہے؟ اس سوال کو سن کر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے شرم سے اپنا سر جھکا لیا اور کوئی جواب نہیں دیا۔ آپ نے فرمایا کہ خدائے تعالیٰ حق بات میں شرم نہیں کرتا تو حضرت حفصہ نے ہاتھ کے اشارہ سے بتایا کہ تین مہینہ یا زیادہ سے زیادہ چار۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم جاری فرما دیا کہ لَا یُحْبَسُ الْجُیُوْشُ فَوْقَ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۔ یعنی چار مہینے سے زیادہ کسی سپاہی کو جنگ میں نہ روکا جائے۔ (تاریخ الخلفاء)

ایک رات آپ گشت فرما رہے تھے کہ ایک مکان سے آواز آئی بیٹی دُودھ میں پانی ملا دے۔ دوسری آواز آئی جو لڑکی کی تھی۔ ماں امیر المؤمنین کا حکم تجھ کو یاد نہیں رہا جس میں اعلان کیا گیا ہے کہ دُودھ میں کوئی شخص پانی نہ ملائے۔ ماں نے کہا امیر المؤمنین یہاں دیکھنے

نہیں آئیں گے پانی ملادے۔لڑکی نے کہا میں ایسا نہیں کرسکتی کہ خلیفہ کے سامنے اطاعت کا اقرار اور پیٹھ پیچھے ان کی نافرمانی......اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت سالم رضی اللہ عنہ تھے۔آپ نے ان سے فرمایا کہ اس گھر کو یاد رکھو اور صبح کے وقت حالات معلوم کر کے مجھے بتاؤ۔حضرت سالم رضی اللہ عنہ نے دربار خلافت میں رپورٹ پیش کی کہ لڑکی بہت نیک جواں اور بیوہ ہے۔کوئی مردان کا سرپرست نہیں ہے ماں بے سہارا ہے۔آپ نے اسی وقت اپنے سب لڑکوں کو بلا کر فرمایا کہ تم میں سے جو چاہے اس لڑکی سے نکاح کر لے۔تو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ تیار ہو گئے۔آپ نے اس بیوہ لڑکی کو بلا کر حضرت عاصم رضی اللہ عنہ سے عقد کر کے اپنی بہو بنالیا۔(عشرۂ مبشرہ)

اس واقعہ کو ایک غیر مقلد مولوی نے ایک جلسہ میں بیان کرنے کے بعد ان لفظوں میں تبصرہ کیا کہ دیکھو! امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اتنے اعلیٰ خاندان کے ہوتے ہوئے اپنے صاحبزادہ کی شادی ایک گوالن سے کر دی۔لہٰذا حنفیوں کا ''کفو'' والا مسئلہ غلط ہے۔ اتفاق سے اس جلسہ کی تقریریں سننے کیلئے ایک سنی حنفی مولوی بھی گئے تھے۔غیر مقلد کی اس تقریر سے متاثر ہو کر اُنہوں نے یہ خیال قائم کر لیا کہ واقعی ''کفو'' کا مسئلہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ یہ بات اُنہوں نے ایک سنی حنفی مفتی سے بیان کی،تو حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ غیر مقلد نے فریب سے کام لیا جسے آپ بھانپ نہ سکے۔حنفیوں کے یہاں لڑکے کی طرف سے ''کفو'' ہونے کا اعتبار نہیں وہ چھوٹی سے چھوٹی برادری اور بہت کم درجہ کی لڑکی سے بھی نکاح کرسکتا ہے۔''کفو'' ہونے کا اعتبار صرف لڑکی کی طرف سے ہے کہ بالغ ہونے کے باوجود اپنے والی کی رضا کے بغیر وہ غیر کفو سے نکاح نہیں کرسکتی جیسا کہ فقہ حنفی کی عام کتابوں میں مذکور ہے۔تو مولوی صاحب نے اقرار کیا کہ واقعی میں غیر مقلد کے فریب میں آ گیا تھا۔اس پر حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ اسی لئے بدمذہبوں کی تقریر سننے سے منع فرمایا گیا ہے کہ جب آپ دس سال علم دین حاصل کرنے کے باوجود اس کے فریب میں آ گئے تو عوام کا کیا حال ہوگا کسی مولوی کی تقریر کا سننا بھی دین کا حاصل کرنا ہے اور حدیث شریف میں ہے اُنْظُرُوْا عَمَّنْ تَاخُذُوْنَ دِیْنَکُمْ ۔یعنی دیکھو لوکہ تم اپنا دین کس سے حاصل کررہے ہو۔(رواہ مسلم،مشکوٰۃ،ص ۳۷)

لہٰذا کسی بد مذہب کی تقریر سننا حرام و ناجائز ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم پر کسی بد مذہب کی تقریر کا اثر نہیں ہوسکتا وہ بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ جب دس سال کے پڑھے ہوئے مولوی پر بد مذہب کی تقریر کا اثر پڑ گیا تو دوسرے لوگوں کی کیا حقیقت ہے۔ بس، دُعا ہے کہ خدائے تعالیٰ ایسے لوگوں کو سمجھ عطا فرمائے اور بد مذہبوں کی تقریر سے دُور رہنے کی توفیق رفیق بخشے۔ آمین

بیت المال سے وظیفہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ دن رات خلافت کے کام انجام دیتے تھے مگر بیت المال سے کوئی خاص وظیفہ نہیں لیتے تھے۔ جب آپ خلیفہ بنائے گئے تو کچھ دنوں کے بعد آپ نے لوگوں کو جمع کر کے ارشاد فرمایا کہ میں پہلے تجارت کیا کرتا تھا اور اب تم لوگوں نے مجھ کو خلافت کے کام میں مشغول کر دیا ہے تو اب گزارہ کی صورت کیا ہوگی۔ لوگوں نے مختلف مقداریں تجویز کیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ متوسط طریقہ پر جو آپ کے گھر والوں کیلئے اور آپ کیلئے کافی ہو جائے وہی مقرر فرمالیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور قبول کرلیا اس طرح بیت المال سے متوسط مقدار آپ کیلئے مقرر ہوگئی۔ کچھ دنوں کے بعد ایک مجلس جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے یہ طے پایا کہ خلیفۃ المسلمین کے وظیفہ میں اضافہ کرنا چاہئے کہ گزر میں تنگی ہوتی ہے مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ آپ سے کہتا۔ تو ان لوگوں نے اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا اور تاکید کردی کہ ہم لوگوں کا نام نہ بتائے جب ام المؤمنین نے آپ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ کا چہرہ غصہ سے تمتما اُٹھا۔ آپ نے لوگوں کے نام دریافت کئے۔ حضرت حفصہ نے عرض کیا کہ پہلے آپ کی رائے معلوم ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر مجھے ان کے نام معلوم ہو جاتے تو میں ان کو سخت سزا دیتا۔ یعنی آپ نے لوگوں کی رائے کی باوجود وظیفہ کے اضافہ کو منظور نہیں فرمایا بلکہ ان پر اور ناراضگی ظاہر فرمائی۔

رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ و ارضاہ عنا وعن سائر المسلمین ۔

وسیلہ

آپ کے زمانۂ خلافت میں ایک بار زبردست قحط پڑا۔ آپ نے بارش طلب کرنے کیلئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز استسقا ادا فرمائی۔ حضرت ابن عون رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور اس کو بلند کر کے اس طرح بارگاہ الٰہی میں دُعا کی اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْكَ بِعَمِّ نَبِیِّكَ اَنْ تُذْھِبَ عَنَّا الْمَحْلَ وَ اَنْ تَسْقِیْنَا الْغَیْثُ ۔ یعنی یا الٰہ العالمین! ہم تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کو وسیلہ بنا کر تیری بارگاہ میں عرض کرتے ہیں قحط اور خشک سالی کو ختم فرما دے اور ہم پر رحمت والی بارش نازل فرما۔ یہ دُعا مانگ کر ابھی آپ واپس بھی نہیں ہوئے تھے کہ بارش شروع ہوگئی اور کئی روز تک مسلسل ہوتی رہی۔ (تاریخ الخلفاء ص ۹۰)..... معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت رکھنے والوں کو اپنی کسی حاجت کیلئے وسیلہ بنانا شرک نہیں ہے بلکہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا طریقہ اور ان کی سنت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَ سُنَّۃِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ ۔ یعنی میری اور خلفائے راشدین کی سنت کو اختیار کرو۔ (مشکوۃ شریف ص ۳۰)

آپ کی شہادت

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ الٰہی میں دُعا کی اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ یعنی یا الٰہ العالمین! مجھے اپنی راہ میں شہادت عطا فرما اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں مجھے موت نصیب فرما۔ (تاریخ الخلفاء ص ۹۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دُعا اس طرح قبول ہوئی کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے مجوسی غلام ابولولوہ نے آپ سے شکایت کی کہ اس آقا روزانہ اس سے چار درہم وصول کرتے ہیں آپ اس میں کمی کرا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوہار اور بڑھئی کا کام خوب اچھی طرح جانتے ہو اور نقاشی بھی بہت عمدہ کرتے ہو تو چار درہم یومیہ تمہارے اُوپر زیادہ نہیں ہیں۔ اس جواب کو سن کر وہ غصہ سے تلملاتا ہوا واپس چلا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت عمر رضی اللہ

عنہ نے اسے پھر بلایا اور فرمایا کہ تو کہتا تھا کہ "اگر آپ کہیں تو میں ایسی چکی تیار کر دوں جو ہوا سے چلے" اس نے تیور بدل کر کہا کہ ہاں۔ میں آپ کیلئے ایسی چکی تیار کر دوں گا جس کا لوگ ہمیشہ ذکر کیا کریں گے۔ جب وہ چلا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ لڑکا مجھے قتل کی دھمکی دے کر گیا ہے۔ مگر آپ نے اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔ ابولولوہ غلام نے آپ کے قتل کا پختہ ارادہ کر لیا۔ ایک خنجر پر دھار لگائی اور اس کو زہر میں بجھا کر اپنے پاس رکھ لیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فجر کی نماز کیلئے مسجد نبوی میں تشریف لے گئے اور ان کا طریقہ تھا کہ وہ تکبیر تحریمہ سے پہلے فرمایا کرتے تھے کہ صفیں سیدھی کر لو۔ یہ سن کر ابولولوہ آپ کے بالکل قریب صف میں آ کر کھڑا ہو گیا اور پھر آپ کے کندھے اور پہلو پر خنجر سے دو وار کئے جس سے آپ گر پڑے۔ اس کے بعد اس نے اور نمازیوں پر حملہ کر کے تیرہ آدمیوں کو زخمی کر دیا جن میں سے بعد میں چھ افراد کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت جبکہ وہ لوگوں کو زخمی کر رہا تھا ایک عراقی نے اس پر کپڑا ڈال دیا اور جب وہ اس کپڑے میں اُلجھ گیا تو اس نے اسی وقت خودکشی کر لی۔

چونکہ اب سورج نکلا ہی چاہتا تھا اس لئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دو مختصر سورتوں کے ساتھ نماز پڑھائی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو آپ کے مکان پر لائے۔ پہلے آپ کو نبیذ پلائی گئی جو زخموں کے راستے باہر نکل گئی پھر دُودھ پلایا گیا مگر وہ بھی زخموں سے باہر نکل گیا۔ کسی شخص نے آپ سے کہا کہ آپ اپنے فرزند عبداللہ کو اپنے بعد خلیفہ مقرر کر دیں۔ آپ نے اس شخص کو جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں غارت کرے۔ تم مجھے ایسا غلط مشورہ دے رہے ہو۔ جسے اپنے بیوی کو صحیح طریقہ سے طلاق دینے کا بھی سلیقہ نہ ہو کیا میں ایسے شخص کو خلیفہ مقرر کر دوں؟...... پھر آپ نے حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم کی انتخابِ خلیفہ کیلئے ایک کمیٹی بنا دی اور فرمایا کہ ان ہی میں سے کسی کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔

اس کے بعد آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ بتاؤ ہم پر کتنا قرض ہے۔ اُنہوں نے حساب کر کے بتایا کہ تقریباً چھیاسی ہزار قرض ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ رقم ہمارے مال سے ادا کر دینا اور اگر اس سے پورا نہ ہو تو بنو عدی سے مانگنا اور اگر ان سے بھی پورا نہ ہو تو قریش سے لینا۔ پھر آپ نے فرمایا جاؤ حضرت عائشہ رضی اللہ

عنہا سے کہو کہ عمر اپنے دونوں دوستوں کے پاس دفن ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور اپنے باپ کی خواہش کو ظاہر کیا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ یہ جگہ تو میں نے اپنے لئے محفوظ کر رکھی تھی مگر میں آج اپنی ذات پر حضرت عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو ترجیح دیتی ہوں۔ جب آپ کو یہ خبر ملی تو آپ نے خدا کا شکر ادا کیا۔

۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ کے دن آپ زخمی ہوئے اور تین دن بعد دس برس چھ ماہ چار دن امور خلافت کو انجام دے کر ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ

وہ عمر جس کے اعدا پہ شیدا سقر — اس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام
ترجمانِ نبی ہم زبانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم — جان شانِ عدالت پہ لاکھوں سلام

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانے میں جب روضۂ منورہ کی دیوار گر پڑی اور لوگوں نے اس کی تعمیر (۸۷ھ میں) شروع کی تو (بنیاد کھودتے وقت) ایک قدم (گھٹنے تک) ظاہر ہوا۔ تو سب لوگ گھبرا گئے اور لوگوں کو خیال ہوا کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم مبارک ہے اور وہاں کوئی جاننے والا نہیں ملا تو حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا لاَ وَ اللّٰہِ مَا ھِیَ قَدَمُ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم مَا ھِیَ اِلَّا قَدَمُ عُمَرَ ۔ یعنی خدا کی قسم! یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم شریف نہیں ہے بلکہ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قدم مبارک ہے۔ (بخاری شریف جلد اول ص ۱۸۶)

خلاصہ یہ کہ تقریباً ۶۴ برس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جسم مبارک بدستور سابق رہا اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی تھی اور نہ کبھی ہوگی۔ ایک شاعر نے خوب کہا ہے۔

زندہ ہو جاتے ہیں مرتے ہیں جو اس کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیّدنا محمدٍ وّ علیٰ اٰلہٖ
واصحابہٖ و ازواجہٖ و ذریاتہٖ اجمعین ۔
برحمتك یا ارحم الراحمین

☆☆☆

امیر المؤمنین

حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام علیہم السلام اس دُنیا میں مبعوث فرمائے گئے یا کچھ کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیائے کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنے قدوم لیمنت لزوم سے اس دُنیا کو سرفراز فرمایا۔ وہ لوگ صاحب اولاد بھی ہوئے۔ لڑکے والے ہوئے اور لڑکی والے بھی ہوئے تو جن لوگوں کے ساتھ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنی صاحبزادیوں کو منسوب فرمایا وہ یقیناً عزت وعظمت والے ہوئے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے نبی کا داماد ہونا ایک بہت بڑا مرتبہ ہے جو خوش نصیب انسانوں ہی کو نصیب ہوا۔ مگر اس سلسلے میں جو خصوصیت اور جو انفرادیت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے وہ کسی کو نہیں کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی کے نکاح میں نبی کی دو بیٹیاں نہیں آئیں ہیں لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں صرف نبی نہیں بلکہ نبی الانبیاء اور سیّد الانبیاء جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے نکاح میں آئیں۔

اور صرف یہی نہیں بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہاں تک روایت ہے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنا ہے کہ آپ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے فرما رہے تھے کہ اگر میری چالیس لڑکیاں بھی ہوتیں تو یکے بعد دیگرے میں ان سب کا نکاح اے عثمان! تم سے کر دیتا یہاں تک کہ کوئی بھی باقی نہ رہتی۔

(تاریخ الخلفاء ص ۱۰۴)

اور بیہقی نے اپنی سنن میں لکھا ہے کہ عبداللہ جُعفی بیان فرماتے ہیں کہ مجھ سے میرے ماموں حسین جعفی نے دریافت کیا کہ تمہیں معلوم ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا لقب ذوالنورین کیوں ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ اُنہوں نے کہا کہ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی شخص کے نکاح میں کسی نبی کی دو بیٹیاں نہیں آئیں گی۔ اسی لئے آپ کو ذوالنورین کہتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں۔

نور کی سرکار سے پایا دو شالہ نور کا ہو مبارک تم کو ذوالنورین جوڑا نور کا

سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل اعلان نبوت اپنی بیٹی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ سے کیا تھا۔ غزوۂ بدر کے موقع پر آپ بیمار تھیں اور انہی کی تیمارداری کے سبب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس جنگ میں شرکت نہیں فرما سکے اور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے مدینہ طیبہ ہی میں رہ گئے تھے مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو بدر کے مال غنیمت سے حصہ عطا فرمایا تھا اس لئے آپ بدریوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کے فتح پانے کی خوشخبری لے کر جس وقت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینہ منور پہنچے اس وقت حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو دفن کیا جا رہا تھا۔ ان کے انتقال فرما جانے کے بعد حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری بیٹی حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کر دیا تو ان کا بھی ۹ ہجری میں وصال ہو گیا۔ غرض یہ کہ اس طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ذوالنورین ہوئے۔ آپ کے ایک صاحبزادے حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا کے شکم مبارک سے پیدا ہوئے تھے جن کا نام ''عبداللہ'' تھا۔ وہ اپنی ماں کے بعد چھ برس کی عمر پا کر انتقال کر گئے اور حضرت بی بی اُم کلثوم رضی اللہ عنہا سے آپ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

نام ونسب

آپ کا نام ''عثمان'' کنیت ابوعمر اور لقب ذوالنورین ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔ عثمان بن عفان بن ابوالعاص بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف۔ یعنی پانچویں پشت میں آپ کا سلسلۂ نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شجرۂ نسب سے مل جاتا ہے۔

آپ کی نانی ام حکیم جو حضرت عبدالمطلب کی بیٹی تھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کیساتھ ایک ہی پیٹ سے پیدا ہوئی تھیں۔ اس رشتہ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی والدہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔ آپ کی پیدائش عام الفیل کے چھ سال بعد ہوئی۔ رضی اللہ عنہ۔

قبولِ اسلام اور مصائب

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ان حضرات میں سے ہیں جن کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام کی دعوت دی تھی۔ آپ قدیم الاسلام ہیں یعنی ابتدائے اسلام ہی میں ایمان لے آئے تھے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم کے بعد اسلام قبول کیا۔

ابن سعد محمد بن ابراہیم سے روایت کرتے ہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جب حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو ان کا پورا خاندان بھڑک اُٹھا یہاں تک کہ آپ کا چچا حکم بن ابی العاص اس قدر ناراض اور برہم ہوا کہ آپ کو پکڑ کر ایک رسّی سے باندھ دیا اور کہا کہ تم نے اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر ایک دوسرا نیا مذہب اختیار کر لیا ہے۔ جب تک کہ تم اس نئے مذہب کو نہیں چھوڑو گے ہم تمہیں نہیں چھوڑیں گے اسی طرح باندھ کر رکھیں گے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا وَاللّٰہِ لَا اَدَعُہٗ اَبَداً وَ لَا اُفَارِ قُہٗ ۔ یعنی خدائے ذوالجلال کی قسم مذہب اسلام کو میں کبھی نہیں چھوڑ سکتا اور نہ کبھی اس دولت سے دست بردار ہو سکتا ہوں۔ میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو یہ ہو سکتا ہے مگر دل سے دین اسلام نکل جائے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ حکم بن ابی العاص نے جب اس طرح آپ کا استقلال دیکھا تو مجبور ہو کر آپ کو رہا کر دیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کا حلیہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا حلیہ اور سراپا ابن عساکر چند طریقوں سے اس طرح بیان کرتے ہیں کہ آپ درمیانے قد کے خوبصورت شخص تھے۔ رنگ میں سفیدی کے ساتھ سرخی بھی شامل تھی۔ چہرے پر چیچک کے داغ تھے۔ جسم کی ہڈیاں چوڑی تھیں۔ کندھے کافی پھیلے ہوئے تھے۔ پنڈلیاں بھری ہوئی تھیں۔ ہاتھ لمبے تھے جن پر کافی بال تھے۔ داڑھی بہت

گھنی تھی۔ سر کے بال گھنگھریالے تھے۔ دانت بہت خوبصورت تھے اور سونے کے تار سے بندھے ہوئے تھے۔ کنپٹیوں کے بال کانوں کے نیچے تک تھے اور پیلے رنگ کا خضاب کیا کرتے تھے۔

اور بن عساکر عبداللہ بن حزم مازنی سے روایت کرتے ہیں۔ اُنہوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو دیکھا فَمَا رَأَیْتُ قَطُّ ذَکَرًا وَّلَا اُنْثیٰ اَحْسَنَ وَجْھاً مِنْهُ ۔ یعنی تو میں نے عورتوں اور مردوں میں سے کسی کو ان سے زیادہ حسین اور خوبصورت نہیں پایا۔ (تاریخ الخلفاء)

اور ابن عساکر حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے گوشت کا ایک بڑا پیالہ دے کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ جب میں آپ کے گھر میں داخل ہوا تو حضرت بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ میں کبھی حضرت بی بی رقیہ کے چہرے کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی صورت دیکھتا تھا۔ جب میں آپ کے گھر سے واپس ہو کر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں حاضر ہوا تو رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ اُسامہ! عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے گھر کے اندر تم گئے تھے۔ میں عرض کیا یا رسول اللہ! جی ہاں میں گھر کے اندر گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تم نے ان میاں بیوی سے حسین وخوبصورت کسی میاں بیوی کو دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کبھی نہیں دیکھا۔ یہ واقعہ غالبًا آیت حجاب کے نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔ (تاریخ الخلفاء)

اور ابن عدی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ اُنہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنی بیٹی اُم کلثوم کا نکاح کیا تو ان سے فرمایا کہ تمہارے شوہر عثمان غنی تمہارے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور تمہارے باپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے شکل وصورت میں بہت مشابہ ہیں۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور آیات قرآنی

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی قرآن مجید کی آیات کریمہ نازل ہوئی

ہیں۔ جنگ تبوک کا واقعہ ایسے وقت میں پیش آیا جبکہ مدینہ منورہ میں سخت قحط پڑا ہوا تھا اور عام مسلمان بہت زیادہ تنگی میں تھے۔ یہاں تک کہ درخت کی پتیاں کھا کر لوگ گزارہ کرتے تھے۔ اسی لئے اس جنگ کے لشکر کو جیش عسرہ کہا جاتا ہے یعنی تنگدستی کا لشکر۔ ترمذی شریف میں حضرت عبدالرحمٰن بن خباب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر تھا۔ جبکہ آپ جیش عسرہ کی مدد کیلئے لوگوں کو جوش دلا رہے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ آپ کے پر جوش لفظ سن کر کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں سو اونٹ پالان اور سامان کے ساتھ اللہ کی راہ میں پیش کروں گا۔ اس کے بعد پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو سامان لشکر کے بارے میں ترغیب دی اور امداد کیلئے متوجہ فرمایا تو پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں دو سو اونٹ مع ساز و سامان اللہ کے راستہ میں نذر کروں گا۔ اسکے بعد پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سامان جنگ کی درستگی اور فراہمی کی طرف مسلمانوں کو رغبت دلائی۔ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں تین سو اونٹ پالان اور سامان کے ساتھ خدائے تعالیٰ کی راہ میں حاضر کروں گا۔ حدیث کے راوی حضرت عبدالرحمٰن بن خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اُترتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔ **مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ ۔ مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ** ۔ یعنی ایک ہی جملہ کو حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بار فرمایا اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اب عثمان کو وہ عمل کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا جو اسکے بعد کریں گے۔

مراد یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا یہ عمل خیر ایسا اعلیٰ اور اتنا مقبول ہے کہ اب اور نوافل نہ کریں جب بھی ان کے مدارج علیا کیلئے کافی ہے اور اس مقبولیت کے بعد اب انہیں کوئی اندیشۂ ضرر نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۱)

تفسیر خازن اور تفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ آپ نے ساز و سامان کے ساتھ ایک ہزار اونٹ اس موقع پر چندہ دیا تھا۔

اور حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

جیش عسرہ کی تیاری کے زمانہ میں ایک ہزار دینار اپنے کُرتے کی آستین میں بھر کر لائے (دینار ساڑھے چار ماشہ سونے کا سکہ ہوتا تھا) ان دیناروں کو آپ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں ڈال دیا۔ راوی حدیث حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان دیناروں کو اپنی گود میں اُلٹ پلٹ کر دیکھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔ مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ مَرَّتَيْن) یعنی آج کے بعد عثمان کو ان کا کوئی عمل نقصان نہیں پہنچائے گا۔ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں اس جملہ کو دوبار فرمایا۔ مطلب یہ ہے کہ فرض کرلیا جائے کہ اگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کوئی خطا واقع ہو تو آج کا ان کا یہ عمل ان کی خطا کیلئے کفارہ بن جائے گا۔ (مشکوٰۃ شریف، ص ۵۶۱)

تفسیر خازن اور تفسیر معالم التنزیل میں ہے کہ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جیش عُسرہ کی اس طرح مدد فرمائی کہ ایک ہزار اونٹ ساز و سامان کے ساتھ پیش فرمایا اور ایک ہزار دینار بھی چندہ دیا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے صدقہ کے چار ہزار درہم بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کئے تو ان دونوں حضرات کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ) یعنی جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ پھر دینے کے بعد نہ احسان رکھتے ہیں اور تکلیف دیتے ہیں تو انکا اجر و ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور نہ ان پر کوئی خوف طاری ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (پ ۳، ع ۴)

حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اپنی تفسیر ''خزائن العرفان'' میں تحریر فرمایا ہے کہ آیت مبارکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اعظم اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ احد پہاڑ پر تھے کہ یکا یک وہ ہلنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُثْبُتْ اُحُدُ مَا عَلَيْكَ اِلَّا

نَبِیٌّ اَوْ صِدِّیْقٌ اَوْ شَہِیْدَانِ ۔ یعنی اے احد! تو ٹھہر جا کہ تیرے اُوپر صرف ایک نبی یا صدیق یا دو شہید ہیں۔ (تفسیر معالم التنزیل جلد ۶، ص ۲۱۶)

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑوں پر بھی اپنا حکم نافذ فرماتے تھے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ خدائے تعالیٰ نے آپ کو علم غیب عطا فرمایا تھا کہ برسوں پہلے حضرت عمر فاروق اعظم اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے شہید ہونے کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خبر دے رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خوب جانتے تھے کہ ندی کا بہتا ہوا دھارا رُک سکتا ہے، درخت اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے بلکہ پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل سکتا ہے مگر اللہ کے محبوب دانائے خفایا وغیوب جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں ٹل سکتا۔ اس لئے آپ اپنی شہادت کا انتظار فرما رہے تھے۔ تو یہ اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ جو اپنی شہادت کے منتظر تھے جیسے کہ دولہا ودلہن اپنی شادی کی تاریخ کے منتظر ہوتے ہیں تو ان کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ ۔ یعنی تو ان میں سے کوئی وہ ہے جو اپنی منت پوری کر چکا (جیسے حضرت حمزہ مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ یہ لوگ جہاد پر ثابت رہے یہاں تک کہ جنگ اُحد میں شہید ہو گئے) اور ان میں سے کوئی وہ ہے جو (اپنی شہادت کا) انتظار کر رہا ہے (جیسے حضرت عثمان اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما)

اور حضرت علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ مدینہ منور میں ایک منافق رہتا تھا اس کا درخت ایک انصاری پڑوسی کے مکان پر جھکا ہوا تھا جس کا پھل ان کے مکان میں گرتا تھا۔ انصاری نے سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ اس وقت تک منافق کا نفاق لوگوں پر ظاہر نہیں ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ تم درخت انصار کے ہاتھ بیچ ڈالو اس کے بدلے تمہیں جنت کا درخت ملے گا۔ مگر منافق نے انصاری کو درخت دینے سے انکار کر دیا۔ جب اس واقعہ کی خبر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ہوئی کہ منافق نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو منظور نہیں کیا تو آپ نے پورا ایک باغ

دے کر درخت کو اس سے خرید لیا اور انصاری کو دے دیا۔ اس پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی تعریف اور منافق کی برائی میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى الَّذِىْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۔ یعنی عنقریب نصیحت مانے گا جو ڈرتا ہے اور اس سے وہ بڑا بد بخت دُور رہے گا جو سب سے بڑی آگ میں جائے گا۔ (پ ۳۰ ع ۱۲)

اس آیت مبارکہ میں مَنْ يَّخْشٰى سے مراد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اَلْاَشْقٰى سے مراد اس درخت کا مالک منافق ہے۔ (تفسیر روح البیان جلد ۱۰ ص ۴۰۸)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور احادیث کریمہ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب میں بہت سی حدیثیں بھی وارد ہیں۔ ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت مرہ بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم زمانۂ آئندہ میں ہونے والے فتنوں کا ذکر فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک صاحب سر پر کپڑا ڈالے ہوئے ادھر سے گذرے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شخص اس روز ہدایت پر ہوگا۔ حضرت مُرّہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ الفاظ سن کر میں اُٹھا اور اس شخص کی طرف گیا تو دیکھا کہ وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ان کا رُخ کیا اور پوچھا کیا یہ شخص ان فتنوں میں ہدایت پر ہوں گے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہاں یہی۔

اور ترمذی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقبل میں ہونے والے فتنہ کا ذکر کیا تو ارشاد فرمایا کہ یہ شخص اس فتنہ میں ظلم سے قتل کیا جائے گا یہ کہتے ہوئے آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ فرمایا۔

اور بخاری و مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ کے ایک باغ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا کہ ایک صاحب آئے اور اس باغ کا دروازہ کھلوایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ ۔ یعنی دروازہ کھول دو اور آنے والے شخص کو جنت کی بشارت دو۔ میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے فرمان کے مطابق جنت کی خوشخبری دی اور اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اس کی حمد وثناء کی۔ پھر ایک صاحب اور آئے اور اُنہوں نے دروازہ کھلوایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں بھی فرمایا اِفْتَحْ لَهُ وَ بَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ ۔ یعنی ان کیلئے بھی دروازہ کھول دو اور ان کو بھی جنت کی بشارت دو۔ میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشخبری سے مطلع کیا۔ اُنہوں نے خدائے عزوجل کی حمد وثناء کی اور اس کا شکر ادا کیا۔ پھر ایک تیسرے صاحب نے دروازہ کھلوایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا۔ اِفْتَحْ لَهُ وَ بَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ عَلٰى بَلْوٰى تُصِيْبُهُ ۔ یعنی آنے والے کیلئے دروازہ کھول دو اور اسے ان مصیبتوں پر جو اس شخص کو پہنچیں گی جنت کی خوشخبری دو۔ راوی حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا آنے والے شخص حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق خوشخبری دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ان کو آگاہ کیا۔ اُنہوں نے خدائے تعالیٰ کی حمد وثناء کی، اس کا شکر ادا کیا اور فرمایا اَللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ ۔ یعنی آنے والی مصیبتوں پر اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی جاتی ہے۔

اور مسلم شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکان میں لیٹے ہوئے تھے اور آپ کی ران یا پنڈلی سے کپڑا ہٹا ہوا تھا۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے اور اُنہوں نے حاضری کی اجازت چاہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا لیا اور وہ اندر آ گئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح لیٹے رہے اور گفتگو فرماتے رہے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ اُنہوں نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی اجازت دے دی اور وہ بھی اندر آ گئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر بھی بدستور اسی طرح لیٹے رہے یعنی ران یا پنڈلی سے کپڑا ہٹا رہا۔ پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ آ گئے اور آپ نے اندر آنے کی اجازت چاہی تو آپ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور کپڑوں کو درست کر لیا۔ اس کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اندر آنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

راوی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ لوگ چلے گئے تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا وجہ ہے کہ میرے باپ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آئے تو آپ بدستور لیٹے رہے۔ پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ آئے مگر آپ بدستور لیٹے رہے اور جنبش نہیں فرمائی۔ لیکن جب حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ آئے تو آپ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور کپڑوں کو درست کرلیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس سوال کے جواب میں سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اَلاَ اَسْتَحْيِىْ مِنْ رَّجُلٍ تَسْتَحْيِ مِنْهُ الْمَلاَئِكَةُ ۔ یعنی کیا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔

سبحان اللہ ۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا درجہ کیا ہی بلند و بالا اور عظمت والا ہے کہ فرشتے آپ سے حیا کرتے ہیں یہاں تک کہ سیّد الانبیاء اور نبی الانبیاء جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ سے حیا فرماتے ہیں۔

ترمذی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام حدیبیہ میں بیعت رضوان کا حکم فرمایا اس وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کی حیثیت سے مکہ معظمہ گئے ہوئے تھے۔ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ جب سب لوگ بیعت کر چکے تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عثمان خدا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کام سے گئے ہوئے ہیں۔ پھر اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا یعنی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف سے خود بیعت فرمائی۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک ہاتھ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کیلئے ان ہاتھوں سے بہتر ہے جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے لئے بیعت کی۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری علیہ الرحمۃ والرضوان اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک کو عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دیا یہ وہ فضیلت ہے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص ہے۔ یعنی اس فضیلت سے ان کے سوا اور کوئی دوسرا صحابی کبھی مشرف نہیں ہوا۔

ترمذی شریف اور ابن ماجہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے عثمان! خدائے تعالیٰ تجھ کو ایک قمیص پہنائے گا یعنی خلعتِ خلافت سے سرفراز فرمائے گا۔ پھر اگر لوگ اس قمیص کے اتارنے کا تجھ سے مطالبہ کریں تو ان کی خواہش پر اس قمیص کو مت اُتارنا یعنی خلافت نہیں چھوڑنا۔ اسی لئے جس روز ان کو شہید کیا گیا اُنہوں نے حضرت ابوسہلہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو خلافت کے بارے میں وصیت فرمائی تھی۔ اسی لئے میں اس وصیت پر قائم ہوں اور جو کچھ مجھ پر بیت رہی ہے اس پر صبر کر رہا ہوں۔

حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دوبار جنت خریدی ہے۔ ایک بار تو ''بیر رومہ'' خرید کر اور دوسری بار جیش عُسرہ کیلئے سامان دے کر۔ جیش عُسرہ کیلئے جو سامان آپ نے فراہم کیا تھا اس کا بیان پہلے ہو چکا ہے اور بیر رومہ کی خریداری کا واقعہ یہ ہے کہ جب سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظّمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو اس زمانہ میں وہاں ''بیر رومہ'' کے علاوہ اور کسی کنوئیں کا پانی میٹھا نہ تھا۔ یہ کنواں وادی عقیق کے کنارے ایک پرفضا باغ میں ہے جو مدینہ طیبہ سے تقریباً چار کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ اس کنوئیں کا مالک یہودی تھا جو اس کا پانی فروخت کیا کرتا تھا اور مسلمانوں کو پانی کی سخت تکلیف تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے آدھا کنواں بارہ ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں پر وقف کر دیا اور طے یہ پایا کہ ایک روز مسلمان پانی بھریں گے اور دوسرے دن یہودی۔ مگر جب یہودی نے دیکھا کہ مسلمان ایک روز میں دو روز کا پانی بھر لیتے ہیں اور میرا پانی خاطر خواہ نہیں بکتا تو پریشان ہو کر بقیہ آدھا بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آٹھ ہزار درہم میں بیچ دیا۔ اس کنوئیں کو آج کل ''بیر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ'' کہتے ہیں۔

رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا وعن سائر المسلمین۔

حضرت عثمان بن عبداللہ بن مَوہَب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مصر کا رہنے والا ایک شخص حج کے ارادہ سے بیت اللہ شریف آیا۔ اس نے ایک جگہ کچھ لوگوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا

تو پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ جواب دیا گیا کہ یہ لوگ قریش ہیں۔ اس نے پوچھا کہ ان لوگوں کا شیخ کون ہے؟ جواب دیا گیا کہ ان لوگوں کے شیخ حضرت عبداللہ بن عمر ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اب اس نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اے ابن عمر! میں کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں آپ اس کا جواب دیں۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ عثمان احد کی جنگ سے بھاگ گئے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہاں ایسا ہوا تھا۔ پھر اس شخص نے دریافت کیا۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ بدر کی لڑائی سے عثمان غائب تھے اور معرکۂ بدر میں وہ شریک نہ ہوئے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ ہاں وہ بدر کے معرکۂ میں موجود نہ تھے۔ پھر اس شخص نے پوچھا۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ عثمان بیعت رضوان کے موقع پر بھی غائب تھے اور اس میں شریک نہ ہوئے تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہاں وہ بیعت رضوان کے موقع پر بھی موجود نہ تھے اور اس میں شامل نہ تھے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے تینوں باتوں کی تصدیق سن کر اس شخص نے اللہ اکبر کہا۔ بظاہر اس مصری شخص کا سوال تھا لیکن حقیقت میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی پر اس کا اعتراض تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے فرمایا کہ اِدھر آ۔ میں تجھ سے حقیقت حال بیان کر کے تیرے شبہات دُور کر دوں۔ احد کے معرکہ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بھاگ جانے کے متعلق میں تجھ سے یہ کہتا ہوں کہ خدائے ذوالجلال نے ان کی غلطی کو معاف فرما دیا۔ (جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے) اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْکُمْ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ مَا کَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ ۔ یعنی بے شک وہ لوگ جو تم میں سے پھر گئے جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں۔ ان کے بعض اعمال کے سبب انہیں شیطان ہی نے لغزش دی اور بے شک اللہ نے انہیں معاف فرما دیا۔ بے شک اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔

(پ۵ ع ۷)

اور جنگ بدر میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا موجود نہ ہونا اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی بیوی اس زمانہ میں بیمار تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی

اللہ عنہ کوان کی دیکھ بھال کیلئے مدینہ طیبہ میں چھوڑ دیا تھا اور فرمایا تھا کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جنگ بدر میں شریک ہونے والوں میں سے ایک مجاہد کا ثواب ملے گا اور مال غنیمت میں سے بھی ایک شخص کا حصہ دیا جائے گا۔ اب رہا معاملہ بیت رضوان سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا غائب ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر مکہ معظّمہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے زیادہ باعزت اور ہر دل عزیز کوئی اور شخص ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کو مکہ معظّمہ بھیجتے مگر چونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے زیادہ ہر دل عزیز اور باعزت مکہ شریف والوں کی نگاہ میں کوئی اور شخص نہ تھا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کو مکہ معظّمہ روانہ فرمایا تا کہ وہ آپ کی طرف سے کفار مکہ سے بات چیت کریں۔ تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مکہ معظّمہ چلے گئے اس طرح ان کی غیر موجودگی میں بیعت رضوان کا واقعہ پیش آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت رضوان کے وقت اپنے داہنے ہاتھ کو اُٹھا کر فرمایا کہ یہ عثمان کا ہاتھ ہے اور پھر اس ہاتھ کو اپنے دوسرے ہاتھ پر مار کر فرمایا کہ یہ عثمان کی بیعت ہے۔ اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ابھی جو میں نے تیرے سامنے بیان کیا ہے تو اس کو لے جا کہ یہی تیرے سوالات کے مکمل جوابات ہیں۔ (بخاری شریف)

آپ کی خلافت

حضرت علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ والرضوان اپنی مشہور کتاب تاریخ الخلفاء میں تحریر فرماتے ہیں کہ زخمی ہونے کے بعد حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طبیعت جب زیادہ ناساز ہوئی تو لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ یا امیر المؤمنین آپ ہمیں کچھ وصیتیں فرمایئے اور خلافت کیلئے کسی کا انتخاب فرما دیجئے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ خلافت کیلئے علاوہ ان چھ صحابہ کے جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی اور خوش رہ کر اس دُنیا سے تشریف لے گئے ہیں میں کسی اور مستحق نہیں سمجھتا ہوں۔ پھر آپ نے حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نام لئے اور فرمایا کہ میرے لڑکے عبداللہ مجلس شوریٰ میں اس کے ساتھ رہیں گے۔ لیکن خلافت سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ اگر

سعد بن ابی وقاص کا انتخاب ہو جائے تو وہ اس کا حق رکھتے ہیں ورنہ ان چھ صحابیوں میں سے جس کو چاہیں منتخب کر لیں اور میں نے سعد بن ابی وقاص کو کسی عاجزی اور خیانت کے سبب معزول نہیں کیا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ میں اپنے بعد خلیفہ ہونے والے کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور سب انصار و مہاجرین اور ساری رعایا کے ساتھ بھلائی سے پیش آتا رہے۔

جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا اور لوگ ان کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو گئے تو تین روز بعد خلیفہ کو منتخب کرنے کیلئے جمع ہوئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا کہ پہلے تین آدمی اپنا حق تین آدمیوں کو دے کر دست بردار ہو جائیں۔ لوگوں نے اس بات کی تائید کی تو حضرت زبیر حضرت علی کو، حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت عبدالرحمٰن کو اور حضرت طلحہ حضرت عثمان کو اپنا حق دے کر دست بردار ہو گئے۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

یہ تینوں حضرات رائے مشورہ کرنے کیلئے ایک طرف چلے گئے۔ وہاں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اپنے لئے خلافت پسند نہیں کرتا اب آپ لوگوں میں سے بھی جو خلافت کی ذمہ داری سے دست بردار ہونا چاہے وہ بتا دے اس لئے کہ جو بری ہوگا ہم خلافت اسی کے سپرد کریں گے اور جو شخص خلیفہ ہو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں سب سے افضل ہو اور اصلاح اُمت کی بہت خواہش رکھتا ہو۔ اس بات کے جواب میں حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما یعنی دونوں حضرات چپ رہے۔ تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اچھا آپ لوگ اس انتخاب کا کام ہمارے سپرد کر دیں۔ قسم خدا کی میں آپ لوگوں میں سے بہتر اور افضل شخص کا انتخاب کروں گا۔ دونوں حضرت نے فرمایا کہ ہم لوگوں کو منظور ہے ہم انتخابِ خلیفہ کا کام آپ کے سپرد کرتے ہیں۔

اب اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لے کر ایک طرف گئے اور ان سے کہا کہ اے علی! آپ اسلام قبول کرنے میں سابق اوّلین میں سے ہیں اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی عزیز ہیں۔ لہٰذا آپ کو اگر میں خلیفہ

مقرر کر دوں تو آپ قبول فرمالیں گے اور اگر میں کسی دوسرے کو آپ پر خلیفہ مقرر کر دوں تو اس کی اطاعت کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے منظور ہے۔

اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو لے کر ایک طرف گئے اور ان سے بھی تنہائی میں اسی قسم کی گفتگو کی تو اُنہوں نے بھی دونوں باتوں کو تسلیم کرلیا۔ جب ان دونوں حضرات سے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اس قسم کا عہد و پیمان لے لیا تو اس کے بعد آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کر لی۔

تاریخ الخلفاء میں ابن عساکر کے حوالہ سے ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بجائے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اس لئے خلیفہ منتخب کیا کہ جو بھی صائب الرائے تنہائی میں ان سے ملتا وہ یہی مشورہ دیتا کہ خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کو ملنی چاہئے وہ اس کیلئے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ چنانچہ ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حمد و صلوٰۃ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے علی! میں نے سب لوگوں کی رائے معلوم کر لی ہے۔ خلافت کے بارے میں سب کی رائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کیلئے ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ میں سنت خدا، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دونوں خلفاء کی سنت پر آپ سے بیعت کرتا ہوں۔ اس طرح سب سے پہلے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے بیعت کی پھر تمام مہاجرین و انصار نے ان سے بیعت کی۔

اور مسند امام احمد میں حضرت ابووائل رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کیوں بیعت کی؟ اُنہوں نے فرمایا کہ اس میں میرا قصور نہیں ہے۔ میں نے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی سے کہا کہ میں کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت پر آپ سے بیعت کرتا ہوں تو اُنہوں نے فرمایا کہ میں اس کی استطاعت نہیں

رکھتا۔اس کے بعد میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اسی قسم کی گفتگو کی تو انہوں نے قبول کرلیا۔(تاریخ الخلفاء، ص۲۴)

غنیۃ الطالبین جو حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کی تصنیف مشہور ہے۔اس میں بھی یہی روایت مذکور ہے۔

تو اس روایت کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ غالباً حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس وقت خلافت سے اس لئے انکار کر دیا کہ ان پر عام صحابہ کا رجحان ظاہر ہو چکا تھا کہ وہ میری بجائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنا چاہتے ہیں تو آپ نے صحابہ کی مرضی کے خلاف زبردستی ان کا خلیفہ بننا پسند نہ فرمایا۔رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے تنہائی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ اگر میں آپ سے بیعت نہ کروں تو مجھے آپ کس سے بیعت کرنے کا مشورہ دیں گے؟ انہوں نے فرمایا کہ علی رضی اللہ عنہ سے۔ پھر میں نے اسی طرح تنہائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر میں آپ کی بیعت نہ کروں تو آپ مجھے کس کی بیعت کا مشورہ دیں گے؟ انہوں نے فرمایا عثمان رضی اللہ عنہ سے۔ پھر میں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا کر اسی طرح تخلیہ میں ان سے دریافت کیا کہ اگر میں آپ کی بیعت نہ کروں تو آپ مجھے کس سے بیعت کرنے کی رائے دیں گے؟ انہوں نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے کہا کہ میرا اور آپ کا ارادہ خلیفۃ المسلمین بننے کا تو ہے نہیں۔تو پھر آپ مجھے کس سے بیعت کرنے کا مشورہ دیتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے۔ پھر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تمام مہاجرین وانصار سے مشورہ کیا تو اکثر لوگوں کی رائے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بارے میں پائی گئی۔اس لئے انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

رافضی کہتے ہیں کہ سب سے پہلے خلافت کے حق دار حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے مگر

لوگوں نے ان کے حق کو غصب کر لیا کہ پہلے حضرت ابوبکر پھر حضرت عمر اور پھر حضرت عثمان کو خلیفہ بنایا (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اس طرح مسلسل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حق تلفی کی گئی۔

پھر رافضی اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ حضرات خلفاء ثلاثہ اور دیگر صحابۂ کرام جنہوں نے ان کو خلیفہ منتخب کیا ان سب سے بغض وعداوت رکھتے ہیں اور ان کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پہلے جو لوگ خلیفہ ہوئے اور جنہوں نے ان کو خلیفہ بنایا یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی خدائے تعالیٰ نے مدح فرمائی ہے اور ان کی تعریف وتوصیف میں قرآن مجید کی بہت سی آیات کریمہ نازل ہوئی ہیں۔ مثلاً (پ ۲۷، ع ۱۷) میں ہے لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قَاتَلَ اُوْلٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَ قَاتَلُوْا وَ کُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی ۔ یعنی تم میں برابر نہیں وہ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ اور جہاد کیا۔ وہ مرتبہ میں ان سے بڑے ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خرچ اور جہاد کیا اور ان سب سے اللہ جنت کا وعدہ فرما چکا۔

(ترجمہ کنز الایمان)

اور (پ ۱۱، ع ۲) میں ہے: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ۔ یعنی اور سب میں اگلے پہلے مہاجرین اور انصار اور جو بھلائی کے ساتھ ان کی اتباع کئے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ (کنز الایمان)

اور (پ ۲۸، ع ۴) میں ہے: لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّ یَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ– اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۔ یعنی ہجرت کرنے والے فقیروں کے لئے جو اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے اللہ کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرتے ہیں۔ وہی سچے ہیں۔ (کنز الایمان)

پھر اسی (پ ۲۸، ع ۴) میں ہے وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ– وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

الْمُفْلِحُوْنَ ۔ یعنی اور جن لوگوں نے پہلے سے اس (مدینہ منورہ) شہر میں اور ایمان میں گھر بنالیا وہ دوست رکھتے ہیں ان لوگوں کو جوان کی طرف ہجرت کر کے گئے اور لوگ اپنے دلوں میں کوئی حاجت نہیں پاتے اس چیز کی جو (مہاجرین مالِ غنیمت) دیئے گئے اور (انصار) اپنی جانوں پر ان کو ترجیح دیتے ہیں اگر چہ انہیں شدید محتاجی ہو اور جو اپنے نفس کی لالچ سے بچایا گیا تو وہی کامیاب ہیں۔

اور (پ۴ ع۸) میں ہے لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْبَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ ۔ یعنی بے شک اللہ کا مسلمانوں ۰۰ احسان ہوا کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھیجا جو ان پر خدائے تعالیٰ کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے۔

اس قسم کی اور بھی بہت سی آیات کریمہ ہیں جن میں خدائے عزوجل نے اپنے پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کی واضح لفظوں میں تعریف وتوصیف بیان فرمائی ہے۔

پہلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۔ یعنی فتح مکہ سے پہلے اور اس کے بعد اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور لڑائی کرنے والے ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے۔

اور دوسری آیت مبارکہ میں ہے رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں۔

اور تیسری آیت مبارکہ میں فرمایا گیا اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۔ یعنی وہی لوگ سچے ہیں۔

اور چوتھی آیت مبارکہ میں ہے فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ یعنی وہی لوگ فلاح یافتہ اور کامیاب ہیں۔

اور پانچویں آیت مبارکہ میں فرمایا وَيُزَكِّيْهِمْ ۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انکا تزکیہ فرماتے ہیں یعنی ناپسندیدہ خصلتوں اور بُری باتوں سے ان کو پاک وصاف کرتے ہیں اور صالح بناتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں خبر دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مُزکی ہیں تو اس

بات پر ایمان لانا ضروری ہے کہ صحابۂ کرام کے قلوب کا اُنہوں نے تزکیہ فرمایا اس لئے کہ اگر ان کے قلوب کا تزکیہ نہیں فرمایا تو وہ مُزکی نہیں ہو سکتے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قلوب کا تزکیہ فرمایا تو ماننا پڑے گا کہ وہ نیکوکار اور صالح ہیں۔ ان کے اخلاق بلند ہیں، وہ اوصاف حمیدہ والے ہیں، ان کی نیتیں صحیح ہیں اور ان کا عمل ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔

لہٰذا صحابۂ کرام کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی اور ایسے لوگ کہ جو فلاح یافتہ اور سچے ہیں اور جن کے قلوب مُزکی ومجلّٰی ہیں ان کے بارے میں یہ فاسد اعتقاد رکھنا کہ اُنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق کو غصب کر لیا۔ انتہائی بدنصیبی و بدبختی ہے بلکہ قرآن شریف کو جھٹلانا ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

بادشاہ جس جماعت سے راضی ہو اور ان کی تعریف و توصیف بیان کرتا ہو اس جماعت سے بغض و عداوت رکھنا اور ان کی بُرائی کرنا بادشاہ کی ناراضگی کا سبب ہوگا تو خدائے ذوالجلال جو صحابۂ کرام سے راضی ہے اور اپنی کتاب قرآن مجید میں جگہ جگہ ان کی تعریف و توصیف بیان فرماتا ہے اس مبارک جماعت سے بغض و عداوت رکھنا اور ان کی بُرائی کرنا خدائے تعالیٰ کی سخت ناراضگی کا سبب ہے۔

حضرت علامہ ابوزرعہ رازی رضی اللہ عنہ جو تبع تابعین میں سے ہیں اُنہوں نے اس سلسلے میں نہایت ہی عمدہ بات فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں اِذَا رَأَیْتَ الرَّجُلَ اَنَّهٗ یُنْقِصُ اَحَدًا مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَاعْلَمْ اَنَّهٗ زِنْدِیْقٌ ۔ یعنی جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی کی تنقیص کرتا ہے ان میں نقص نکالتا ہے تو جان لو کہ وہ زندیق اور بیدین ہے۔ اس لئے کہ قرآن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فرمان ہمیں صحابہ ہی کے واسطے سے ملا ہے تو ان کی ذات میں بُرائی ثابت کرنا اور ان کو غلط ٹھہرانا قرآن و حدیث کو باطل قرار دینا ہے۔ العیاذ باللّٰہ تعالیٰ (الاصابہ، ص ۱۱، ج ۱)

آپ کا پہلا خطبہ

تاریخ الخلفاء میں ابن سعد کے حوالہ سے ہے کہ خلیفہ منتخب ہونے کے بعد جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خطبہ دینے کیلئے کھڑے ہوئے تو آپ کچھ بیان نہ کر سکے۔

صرف اتنا فرمایا کہ اے لوگو! پہلی مرتبہ گھوڑے پر سوار ہونا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ آج کے بعد بہت سے دن آئیں گے۔ اگر میں زندہ رہا تو انشاء اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے سامنے ضرور خطبہ دوں گا۔ ہمارے خاندان کے لوگ خطیب نہیں ہوئے ہیں۔ خدائے تعالیٰ سے اُمید ہے کہ وہ عقریب ہمیں خطبہ دینے پر قدرت عطا فرمائے گا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ ''منبر کے تین زینے تھے علاوہ اُوپر کے تختے کہ جس پر بیٹھتے ہیں۔ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم درجۂ بالا پر خطبہ فرمایا کرتے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دوسرے پر پڑھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تیسرے پر۔ جب زمانہ ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا آیا پھر اوّل پر خطبہ فرمایا۔ سبب پوچھا گیا فرمایا اگر دوسرے پر پڑھتا لوگ گمان کرتے کہ میں صدیق کا ہمسر ہوں اور تیسرے پر۔ تو وہم ہوتا کہ فاروق کے برابر ہوں۔ لہٰذا وہاں پڑھا جہاں یہ احتمال متصور ہی نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج سوم،ص ۷۰۰)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے جملے قابل غور ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر دوسرے پر پڑھتا لوگ گمان کرتے کہ میں صدیق کا ہمسر ہوں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر لوگ ان کو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا ہمسر گمان کرتے تو کیا اس میں کوئی خرابی تھی؟ ہاں بے شک خرابی تھی۔ اس لئے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو یہ ہرگز منظور نہیں تھا کہ لوگ ان کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہمسر گمان کریں۔ اسی طرح ان کو یہ بھی گوارا نہیں تھا کہ لوگ ان کے بارے میں وہم کریں کہ وہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر ہیں۔ اسی لئے فرمایا کہ اگر تیسرے پر پڑھتا تو وہم ہوتا کہ فاروق کے برابر ہوں۔

معلوم ہوا کہ حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے برابری کا دعویٰ کرنا تو بہت دُور کی بات ہے ان کو اتنا بھی گوارا نہیں تھا کہ ان کے بارے میں کوئی یہ وہم وگمان کرے کہ وہ حضرات شیخین کے ہمسر و برابر ہیں۔ اسی لئے وہ سب سے اُوپر والے درجہ پر خطبہ پڑھے۔

پھر حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ بھی قابل توجہ ہے کہ میں نے وہاں خطبہ پڑھا جہاں یہ (یعنی ہمسری و برابری کا) احتمال متصور ہی نہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ صحابۂ

کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے کوئی بھی یہ تصور کر ہی نہیں سکتا تھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے برابریٔ و ہمسری کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔

ثابت ہوا کہ اگر کوئی آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے برابری و ہمسری کا دعویٰ کرے تو وہ گستاخ و بے ادب ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے راستے سے الگ ہے اور حدیث شریف مَا اَنَا عَلَیْهِ وَ اَصْحَابِیْ کے مطابق انہیں کے راستے پر چلنے وا۔ لےجنتی ہیں باقی سب جہنمی۔

آپ کے زمانۂ خلافت کی فتوحات

حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں بھی اسلامی فتوحات کا دائرہ برابر وسیع ہوتا رہا۔ چنانچہ آپ کے زمانۂ خلافت کے پہلے سال یعنی ۲۴ ہجری میں ''رے'' فتح ہوا۔ رے خراسان کا ایک شہر ہے جو آج کل ایران کا دارالسلطنت ہے اور اسے تہران کہتے ہیں۔ ۲۶ ہجری میں شہر سابور فتح ہوا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ملک شام کے گورنر تھے اُنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کئی بار یہ درخواست پیش کی تھی کہ بحری بیڑا کے ذریعہ قبرص پر حملہ کی اجازت دی جائے مگر آپ نے اجازت نہیں دی لیکن جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا اِصرار بہت زیادہ ہوا تو آپ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ آپ سمندر اور بادبانی جہازوں کی کیفیت مفصل طریقہ سے لکھ کر مجھے روانہ کرو۔ اُنہوں نے لکھا کہ میں نے بادبانی جہاز کو دیکھا ہے جو ایک بڑی مخلوق ہے اور اس پر چھوٹی مخلوق سوار ہوتی ہے۔ جب وہ جہاز ٹھہر جاتا ہے تو لوگوں کے دل پھٹنے لگتے ہیں اور جب وہ چلتا ہے تو عقلمند لوگ بھی خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ اس میں اچھائیاں کم ہیں اور خرابیاں زیادہ ہیں۔ اس میں سفر کرنے والوں کی حیثیت کیڑے مکوڑوں جیسی ہے۔ اگر یہ سواری کسی طرف کو جھک جائے تو عموماً لوگ ڈوب جاتے ہیں اور اگر بچ جاتے ہیں تو اس حال میں ساحل تک پہنچتے ہیں کہ کانپتے رہتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا خط اس مضمون کا پڑھا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ وَاللّٰہِ لاَ اُحَمِّلُ فِیْهِ مُسْلِمًا اَبَداً یعنی قسم ہے

خدائے تعالیٰ میں ایسی سواری پر مسلمانوں کو کبھی سوار نہیں کر سکتا۔ (تاریخ الخلفاء، ص ۱۰۶)

اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں قبرص پر مسلمانوں کا حملہ نہیں ہو سکا۔ لیکن جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا زمانۂ خلافت آیا تو ان کے حکم سے ۲۷ ہجری میں جہاز کے ذریعہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے لشکر لے جا کر قبرص پر حملہ کر کے اس کو فتح کر لیا اور جزیہ لینے کی شرط منظور کر لی۔

جس لشکر نے بحری راستہ سے جا کر قبرص پر حملہ کیا تھا۔ اس لشکر میں مشہور و معروف صحابی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ محترمہ حضرت اُم حرام بنت ملحان انصاریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ موجود تھے۔ آپ کی بیوی جانور سے گر کر انتقال کر گئیں تو ان کو وہیں قبرص میں دفن کر دیا گیا۔ اس لشکر کے متعلق اللہ کے محبوب دانا خفایا وغیوب جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ عبادہ بن صامت کی بیوی بھی اس لشکر میں ہوگی اور قبرص ہی میں اس کی قبر بنے گی۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی حرف بحرف صحیح ہوئی اور کیوں نہ ہو کہ ندی کا بہتا ہوا دھارا رک سکتا ہے۔ درخت اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے بلکہ بڑے سے بڑا پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہل سکتا ہے مگر اللہ کے محبوب پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں ٹل سکتا۔

صلی اللّٰہ علی النبی الامی و الہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم

صلاۃ و سلام علیک یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

اور اسی ۲۷ھ میں جرجان اور دار بجرد فتح ہوئے اور اسی سال جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مصر کا گورنر بنایا تو اُنہوں نے مصر پہنچ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حکم پر افریقہ پر حملہ کیا اور اس کو فتح کر کے ساری سلطنتوں کو حکومت اسلامیہ میں شامل کر لیا۔ اس جنگ میں اس قدر مال غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہوا کہ ہر سپاہی کو ایک ایک ہزار دینا اور بعض روایت کے مطابق تین تین ہزار دینار ملے۔ دینار ساڑھے چار ماشہ سونے کا ایک سکہ ہوتا تھا۔ اس فتح عظیم کے بعد اسی ۲۷ھ میں اسپین یعنی ہسپانیہ بھی فتح ہو گیا اور ۲۹ھ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے حکم سے اُصطُخر فسا اور انکے علاوہ بعض دوسرے ممالک بھی فتح ہوئے۔

اور ۳۰ھ میں جور، خراسان اور نیشاپور صلح کے ذریعہ فتح ہوئے۔ اسی طرح ملک ایران کے دوسرے شہر طوس، سرخس، مرو اور بیہق بھی صلح سے فتح ہوئے۔ اس قدر فتوحات سے جب بے شمار مالِ غنیمت ہر طرف سے دار الخلافت میں پہنچنے لگا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ان مالوں کی حفاظت کیلئے کئی محفوظ خزانے بنوانے پڑے اور لوگوں میں اس فراخ دلی سے مال تقسیم فرمایا کہ ایک ایک شخص کو ایک ایک لاکھ بدرے ملے جبکہ ایک بدرہ دس ہزار درہم کا ہوتا ہے۔ (تاریخ الخلفاء، ص ۱۰۶)

آپ کی کرامتیں

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کئی کرامتوں کا ظہور ہوا ہے جن میں سے چند کرامتیں یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

علامہ تاج الدین سبکی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ''طبقات'' میں تحریر فرمایا کہ ایک شخص نے راستہ چلتے ہوئے ایک اجنبی عورت کو گھور گھور کر غلط نگاہوں سے دیکھا۔ اس کے بعد یہ شخص امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس شخص کو دیکھ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے نہایت ہی پُر جلال لہجہ میں فرمایا کہ تم لوگ ایسی حالت میں میرے سامنے آتے ہو کہ تمہاری آنکھوں میں زنا کے اثرات ہوتے ہیں۔ شخص مذکور نے جل بھن کر کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ پر وحی اُترنے لگی ہے؟ آپ کو یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ میری آنکھوں میں زنا کے اثرات ہیں؟

امیر المؤمنین نے ارشاد فرمایا کہ میرے اُوپر وحی تو نازل نہیں ہوتی ہے لیکن میں نے جو کچھ کہا ہے یہ بالکل ہی قول حق اور سچی بات ہے اور خداوند قدوس نے مجھے ایک ایسی فراست (نورانی بصیرت) عطا فرمائی ہے جس سے میں لوگوں کے دلوں کے حالات و خیالات کو معلوم کر لیتا ہوں۔ (کرامات صحابہ بحوالہ حجۃ اللہ علی العالمین جلد دوم، ص ۸۶۲)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ مسجد نبوی شریف کے منبر اقدس پر خطبہ پڑھ رہے تھے کہ بالکل ہی اچانک ایک بدنصیب اور خبیث النفس انسان جس کا نام ''جہجاہ غفاری'' تھا کھڑا ہو گیا اور آپ کے دستِ مبارک سے عصا چھین کر اس کو توڑ ڈالا۔ آپ نے اپنے حلم و حیا کی وجہ سے اس سے کوئی

مواخذہ نہیں فرمایا لیکن خدائے تعالیٰ کی قہاری و جباری نے اس بے ادبی اور گستاخی پر اس مردود کو یہ سزا دی کہ اس کے ہاتھ میں کینسر کا مرض ہو گیا وار اس کا ہاتھ گل سڑ کر گر پڑا اور وہ یہ سزا پا کر ایک سال کے اندر ہی مر گیا۔ (کرامات صحابہ بحوالہ حجۃ اللہ علی العالمین جلد دوم ص ۸۶۲)

اور حضرت ابو قلابہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں ملک شام کی سرزمین میں تھا تو میں نے ایک شخص کو بار بار یہ صدا لگاتے ہوئے سنا ''ہائے افسوس! میرے لئے جہنم ہے''۔ میں اُٹھ کر اس کے پاس گیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس شخص کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کٹے ہوئے ہیں اور وہ دونوں آنکھوں سے اندھا ہے اور اپنے چہرے کے بل زمین پر اوندھا پڑا ہوا بار بار لگاتار یہی کہہ رہا ہے کہ ''ہائے افسوس! میرے لئے جہنم ہے''۔ یہ منظر دیکھ کر مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے اس سے پوچھا کہ اے شخص تیرا کیا حال ہے؟ اور کیوں اور کس بناء پر تجھے اپنے جہنمی ہونے کا یقین ہے؟ یہ سن کر اس نے یہ کہا کہ اے شخص! میرا حال نہ پوچھ میں ان بدنصیب لوگوں میں سے ہوں جو امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کیلئے ان کے مکان میں گھس پڑے تھے۔ میں جب تلوار لے کر ان کے قریب پہنچا تو ان کی بیوی صاحبہ نے مجھے ڈانٹ کر شور مچانا شروع کیا تو میں نے ان کی بیوی صاحبہ کو ایک تھپڑ مار دیا۔ یہ دیکھ کر امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے یہ دُعا مانگی کہ ''اللہ تعالیٰ تیرے دونوں ہاتھوں اور پاؤں کو کاٹ ڈالے اور تیری دونوں آنکھوں کو اندھی کر دے اور تجھ کو جہنم میں جھونک دے اے شخص! میں امیر المؤمنین کے پُر جلال چہرے کو دیکھ کر اور ان کی اس قاہرانہ دُعا کو سن کر کانپ اُٹھا اور میرے بدن کا ایک ایک رونگٹا کھڑا ہو گیا اور میں خوف و دہشت سے کانپتے ہوئے وہاں سے بھاگ نکلا۔

امیر المؤمنین کی چار دُعاؤں میں سے تین دُعاؤں کی زد میں تو میں آ چکا ہوں۔ تم دیکھ رہے ہو کہ میرے دونوں ہاتھ اور پاؤں کٹ چکے اور دونوں آنکھیں اندھی ہو چکیں۔ اب صرف چوتھی دُعا یعنی میرا جہنم میں داخل ہونا باقی رہ گیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ معاملہ بھی یقیناً ہو کر رہے گا۔ چنانچہ میں اسی کا انتظار کر رہا ہوں اور اپنے جرم کو بار بار یاد کر کے نادم و شرمسار ہو رہا ہوں اور اپنے جہنمی ہونے کا اقرار کرتا ہوں۔ (کرامات صحابہ)

مذکورہ بالا تینوں واقعات امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی عظیم کرامتیں

ہیں جو ان کی جلالت شان اور بارگاہِ خداوندی میں ان کی مقبولیت اور ولایت کی واضح نشانیاں ہیں۔

آپ کی شہادت

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت کل بارہ سال رہا۔ شروع کے چھ برسوں میں لوگوں کو آپ سے کوئی شکایت نہیں ہوئی، بلکہ ان برسوں میں وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ لوگوں میں مقبول و محبوب رہے اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج میں کچھ سختی تھی اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں سختی کا وجود نہ تھا۔ آپ بہت بامروت تھے۔ لیکن آخری چھ برسوں میں بعض گورنروں کے سبب لوگوں کو آپ سے شکایت ہوگئی۔ آپ نے عبداللہ بن ابی سرح کو مصر کا گورنر مقرر کیا۔ ابھی عبداللہ کے تقرر کو صرف دو سال گزرے تھے کہ مصر کے لوگوں کو ان سے شکایتیں پیدا ہوگئی۔ اُنہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے دادرسی چاہی آپ نے بذریعۂ تحریر عبداللہ کو سخت تنبیہ فرمائی اور تاکید کی کہ خبردار! آئندہ تمہاری شکایت میرے پاس نہ پہنچے۔ مگر عبداللہ نے آپ کے خط کی کچھ پرواہ نہ کی بلکہ مصر کے جو لوگ دارالخلافہ مدینہ شریف میں شکایت لے کر آئے تھے ان کو قتل کردیا۔ اس سے مصر کی حالت اور زیادہ خراب ہوگئی یہاں تک کہ وہاں سے سات سو افراد مدینہ شریف آئے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے عبداللہ کی زیادتیاں بیان کیں اور دوسرے صحابۂ کرام سے بھی شکایتیں کیں تو بعض صحابہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے سخت کلامی کی اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے پاس کہلا بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آپکے پاس آئے ہیں اور عبداللہ بن ابی سرح جس پر قتل کا الزام ہے اسکی معزولی اور برطرفی کا آپ سے مطالبہ کرتے ہیں۔ آپکو چاہئے کہ ایسے شخص کو مناسب سزا دیں۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے اُنہوں نے بھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ لوگ قتل ناحق کے سبب مصر کے گورنر کی معزولی چاہتے ہیں۔ آپ اس معاملہ میں انصاف کیجئے اور عبداللہ بن ابی سرح کی جگہ پر کسی دوسرے کو گورنر مقرر کر دیجئے۔ آپ نے مصر کے لوگوں سے فرمایا کہ اِخْتَارُوْا رَجُلاً اُوَلِّیْهِ عَلَیْکُمْ مَکَانَهٗ یعنی آپ لوگ خود

ہی کسی کو گورنر چن لیجئے میں عبداللہ بن ابی سرح کو معزول کر کے آپ لوگوں کے چنے ہوئے گورنر کو مقرر کر دوں گا۔ ان لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فرزند یعنی محمد بن ابوبکر کو منتخب کیا رضی اللہ عنہما۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے انتخاب کو منظور فرمایا۔ حضرت محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کیلئے پروانہ تقرری اور عبداللہ بن ابی سرح کے بارے میں معزولی کی تحریر لکھدی۔ محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہما آئے ہوئے سات سو افراد اور کچھ انصار ومہاجرین کے ساتھ مصر کیلئے روانہ ہوئے۔

مدینہ منورہ سے ابھی یہ قافلہ تیسری منزل پر تھا کہ ان کو ایک حبشی غلام سانڈنی پر بیٹھا ہوا نہایت تیزی کے ساتھ مصر کی طرف جاتا ہوا نظر آیا اس کے رنگ ڈھنگ اور اس کی تیز رفتاری سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ غلام یا تو اپنے مالک سے بھاگا ہوا ہے اور یا تو کسی کا قاصد ہے۔ قافلہ والوں نے اسے بڑھ کر پکڑ لیا اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ تو کہیں سے بھاگا ہے یا تجھے کسی کی تلاش ہے۔ اس نے کہا میں امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا غلام ہوں۔ پھر کہا کہ میں مروان کا غلام ہوں۔ ایک شخص نے اسے پہچان لیا اور بتایا کہ یہ امیر المؤمنین ہی کا غلام ہے۔ حضرت محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہما نے اس سے دریافت فرمایا کہ تمہیں کہاں بھیجا گیا ہے؟ اس نے کہا مجھے مصر کے گورنر عبداللہ بن ابی سرح کے پاس بھیجا گیا ہے۔ اس کی تلاشی لی گئی تو اس کے خشک مشکیزہ سے ایک خط نکلا جو امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف سے عامل مصر عبداللہ بن ابی سرح کے نام تھا۔ محمد بن ابوبکر نے سب لوگوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے خط کھولا جس میں لکھا ہوا تھا اِذَا اَتَاكَ مُحَمَّدٌ وَ فُلَانٌ وَ فُلَانٌ فَاحْتَلْ فِىْ قَتْلِهِمْ وَ اَبْطِلْ كِتَابَهٗ وَ قَرَّ عَلٰى عَمَلِكَ حَتّٰى يَاتِيَكَ رَائِىْ ۔ یعنی جب محمد بن ابوبکر اور فلاں وفلاں تمہارے پاس پہنچیں تو ان کو کسی حیلے سے قتل کر دو۔ خط کو کالعدم قرار دو اور جب تک کہ میرا دوسرا حکم نامہ پہنچے اپنے عہدے پر برقرار رہو۔

اس خط کو پڑھ کر قافلہ والے سب لوگ دنگ رہ گئے۔ محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہما نے اس خط پر ساتھ کے چند ذمہ دار لوگوں کی مہریں لگوادیں اور اسے ایک شخص کی تحویل میں دے دیا اور سب لوگ وہیں سے مدینہ منورہ کو واپس ہو گئے۔ جب وہاں پہنچے تو حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد اور دیگر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اکٹھا کر کے

ان کے سامنے خط کھول کر سب کو پڑھوایا اور اس حبشی غلام کا سارا واقعہ سنایا۔ اس پر سب لوگ بہت سخت برہم ہوئے اور تمام صحابۂ کرام غیظ و غضب میں بھرے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو گئے۔ مگر محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہما اپنے قبیلہ بنو تمیم اور مصریوں کے ساتھ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے گھر کو گھیر لیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو ۱۔ حضرت طلحہ، ۲۔ حضرت زبیر، ۳۔ حضرت سعد، ۴۔ حضرت عمار اور دیگر اکابر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ ان کے ساتھ وہ خط، غلام اور اونٹنی بھی تھی جو راستے میں پکڑی گئی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ یہ غلام آپ کا ہے؟ اُنہوں نے جواب میں فرمایا ہاں یہ غلام میرا ہے۔ پھر اُنہوں نے پوچھا یہ اونٹنی بھی آپ ہی کی ہے؟ اُنہوں نے جواب میں فرمایا ہاں اونٹنی بھی ہماری ہے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ خط پیش فرمایا اور پوچھا کیا یہ خط آپ نے لکھا ہے؟ اُنہوں نے فرمایا نہیں اور خدائے تعالیٰ کی قسم کھا کے کہا کہ نہ میں نے اس خط کو لکھا ہے، نہ کسی کو لکھنے کا حکم دیا ہے اور نہ مجھے اس کے بارے میں کوئی علم ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا بڑے تعجب کی بات ہے کہ اونٹنی آپ کی اور خط پر مہر بھی آپ کی جسے آپ ہی کا غلام یہاں سے لے کر جا رہا تھا۔ مگر آپ کو کوئی علم نہیں۔ تو پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کے فرمایا کہ نہ میں نے اس خط کو لکھا ہے، نہ کسی سے لکھوایا ہے اور نہ میں نے غلام کو یہ خط دے کر مصر کی طرف روانہ کیا ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر اپنی براءت ظاہر فرمائی تو ہر شخص کو یقین ہو گیا کہ ان کا دامن اس جرم سے پاک ہے۔ لوگوں نے تحریر کو بغور دیکھا تو یہ خیال قائم کیا کہ تحریر مروان کی ہے اور ساری شرارت اسی کی ذات سے ہے۔ مروان اس وقت امیر المؤمنین کے مکان میں موجود تھا۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ اسے ہمارے حوالے کر دیجئے۔ آپ نے انکار کر دیا۔ اس لئے کہ وہ لوگ غیظ و غضب میں بھرے ہوئے تھے مروان کو سزا دیتے اور اسے قتل کر دیتے۔ حالانکہ تحریر سے یقین کامل نہیں ہوتا اس لئے کہ اَلْخَطُّ یَشْبَهُ الْخَطَّ۔ یعنی ایک تحریر دوسری تحریر کے مشابہ ہوتی ہے۔ تو انہیں مروان کی تحریر ہونے کا

صرف شبہ تھا اور شبہ کا فائدہ ہمیشہ ملزم کو پہنچتا ہے۔ اس لئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مروان کو ان کے سپرد نہیں کیا۔ علاوہ اس کے سپرد کرنے میں بہت بڑے فتنہ کا اندیشہ بھی تھا۔

بہر حال حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مروان کو لوگوں کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تو صحابۂ کرام ان کے یہاں سے اُٹھ کر چلے گئے اور آپس میں یہ کہہ رہے تھے کہ حضرت عثمان کبھی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتے مگر کچھ لوگ یہ بھی کہہ رہے تھے کہ وہ شک سے بری نہیں ہو سکتے جب تک کہ مروان کو ہمارے سپرد نہ کر دیں اور ہم اس سے تحقیق نہ کر لیں اور یہ معلوم نہ ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں کو قتل کرنے کا حکم کیوں دیا گیا۔ اگر یہ بات ثابت ہو گئی کہ خط اُنہوں نے ہی لکھا ہے تو ہم انہیں خلافت سے الگ کر دیں گے اور اگر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف سے مروان نے خط لکھا ہے تو ہم اسے سزا دیں گے۔

محاصرہ میں سختی

جب اکابر اصحاب اپنے اپنے گھر چلے گئے تو بلوائیوں نے محاصرہ میں اور سختی پیدا کر دی یہاں تک کہ ان پر پانی کو بند کر دیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اُوپر سے جھانک کر مجمع سے دریافت فرمایا کیا تم میں علی ہیں؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ پھر آپ نے پوچھا کیا تم میں سعد موجود ہیں؟ جواب دیا گیا کہ سعد بھی موجود نہیں ہیں۔ یہ جواب سن کر آپ تھوڑی دیر خاموش رہے اس کے بعد فرمایا کوئی شخص علی کو یہ خبر پہنچا دے کہ وہ ہمارے لئے پانی مہیا کر دیں۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچ گئی تو اُنہوں نے آپ کے لیے پانی سے بھرے ہوئے تین مشکیزے بھجوا دیئے۔ مگر وہ پانی بمشکل تمام آپ تک پہنچا کہ اس کے سبب بنی ہاشم اور بنی امیہ کے کئی غلام زخمی ہو گئے اس واقعہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس بات کا اندازہ ہوا کہ لوگ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ تو آپ نے اپنے دونوں صاحبزادگان یعنی حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ تم دونوں اپنی اپنی تلواریں لے کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر جاؤ پہرے داروں کی طرح ہوشیار کھڑے رہو اور خبردار۔ کسی بھی بلوائی کو اندر ہرگز نہ جانے دو۔ اسی طرح حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور دیگر اکابر صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنے اپنے

صاحبزادگان کو امیر المؤمنین کے دروازہ پر بھیج دیا جو برابر نہایت مستعدی کے ساتھ ان کی حفاظت کرتے رہے۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ جب بلوائیوں نے محاصرہ سخت کر دیا تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما چند مہاجرین کے ساتھ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دولت خانہ پر تشریف لائے اور ان سے کہنے لگے کہ یہ جس قدر بلوائی آپ پر چڑھ آئے ہیں یہ وہی ہیں جو ہماری تلواروں سے مسلمان ہوئے ہیں اور اب بھی ڈر کے مارے کپڑے ہی میں پاخانہ کئے دیتے ہیں۔ یہ سب شیخیاں اور اُونچی اُونچی اُڑانیں اس سبب سے ہیں کہ کلمہ پڑھتے ہیں اور آپ کلمہ کی حرمت کا پاس و لحاظ کرتے ہیں۔ اگر آپ حکم دیں تو ہم ان کو ان کی حقیقت معلوم کرا دیں اور انکی بھولی ہوئی بات پھر ان کو یاد دلا دیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا خدا کی قسم ایسی بات نہ کہو صرف میری جان کی خاطر سلام میں ہرگز پھوٹ نہ پیدا کرو۔

پھر آپکے سارے غلام جو ایک فوج کے برابر تھے اسباب و ہتھیار سے تیار ہو کر آپکے سامنے آئے اور بڑی بے چینی و بے قراری کے ساتھ آپ سے کہنے لگے کہ ہم وہی تو ہیں جن کی تلواروں کی تاب خراسان سے افریقہ تک کوئی نہ لا سکا۔ اگر آپ اجازت فرمائیں تو ہم مغروروں کو ان کے کام کا تماشا دکھا دیں۔ گفتگو اور بات چیت سے ان کی درستگی نہیں ہو سکتی۔ وہ لوگ جانتے ہیں کہ کلمہ کی حرمت کے سبب ہمیں کوئی نہیں چھیڑے گا اسی لئے وہ راہ راست پر نہیں آتے اور آپ کی نیز دیگر صحابۂ کرام کی باتوں کو ذرہ برابر اہمیت نہیں دیتے لہٰذا آپ ہمیں ان سے لڑنے کی اجازت دیجئے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے غلاموں سے فرمایا کہ اگر تم لوگ میری رضا و خوشنودی چاہتے ہو اور میری نعمت کا حق ادا کرنا چاہتے ہو تو ہتھیار کھول دو اور اپنی اپنی جگہوں پر جا کر بیٹھو اور سن لو کہ تم لوگوں میں سے جو غلام بھی ہتھیار کھول دے اس کو میں نے آزاد کر دیا وَاللّٰہِ لاَنْ اُقْتَلَ قَبْلَ الدِّمَاءِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اُقْتَلَ بَعْدَ الدِّمَاءِ ۔ یعنی اللہ کی قسم خونریزی سے پہلے میرا قتل ہو جانا مجھے زیادہ محبوب ہے اس سے کہ میں خونریزی کے بعد قتل کیا جاؤں۔ مطلب یہ ہے کہ میری شہادت لکھ دی گئی ہے اور اللہ کے پیارے رسول

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بشارت مجھ کو دے دی ہے۔ اگر تم لوگوں نے بلوائیوں سے جنگ بھی کی تو بھی میں ضرور قتل کر دیا جاؤں گا۔ لہٰذا اس سے لڑنے میں کوئی فائدہ نہیں ہے۔ (تحفہ اثنا عشریہ)

بلوائیوں کا آپ کو شہید کر دینا

محمد بن ابو بکر نے جب دیکھا کہ دروازہ پر ایسا سخت پہرہ ہے کہ اندر پہنچنا بہت مشکل ہے تو انہوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر تیر چلانا شروع کیا جس میں سے ایک تیر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو لگ گیا اور آپ زخمی ہو گئے۔ ایک تیر مروان کو بھی لگا۔ محمد بن طلحہ بھی زخمی ہو گئے اور ایک تیر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غلام قنبر بھی زخمی ہو گئے۔ محمد بن ابو بکر نے جب ان لوگوں کو زخمی دیکھا تو ان کو خوف لاحق ہوا کہ بنی ہاشم اگر حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور دوسرے لوگوں کو زخمی دیکھ لیں گے تو وہ بگڑ جائیں گے اس طرح ایک نئی مصیبت پیدا ہو جائے گی۔ لہٰذا انہوں نے دو آدمیوں کے ہاتھ پکڑ کر ان سے کہا کہ اگر بنی ہاشم اس وقت آ گئے اور انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو زخمی حالت میں دیکھ لیا تو وہ ہم سے اُلجھ پڑیں گے اور ہمارا سارا منصوبہ خاک میں مل جائے گا لہٰذا ہمارے ساتھ چلو ہم پڑوس کے مکان میں پہنچ کر (حضرت) عثمان کے گھر میں کود پڑیں گے اور انہیں قتل کر دیں گے اس گفتگو کے بعد محمد بن ابو بکر اپنے دو ساتھیوں کے ہمراہ ایک انصاری کے مکان میں گھس گئے اور وہاں سے چھت پھاند کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مکان میں پہنچ گئے ان لوگوں کے پہنچنے کی دوسرے لوگوں کو خبر نہ ہوئی اس لئے کہ جو لوگ گھر پر موجود تھے وہ چھت پر تھے۔ نیچے امیر المؤمنین کے پاس صرف ان کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں۔ سب سے پہلے محمد بن ابو بکر نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ کر ان کی داڑھی پکڑ لی تو امیر المؤمنین نے ان سے فرمایا اگر تمہارے باپ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تجھے میرے ساتھ ایسی گستاخی کرتے ہوئے دیکھتے تو وہ کیا کہتے۔ اس بات کو سن کر محمد بن ابو بکر نے ان کی داڑھی چھوڑ دی لیکن اسی درمیان میں ان کے دونوں ساتھی آ گئے جو امیر المؤمنین پر جھپٹ پڑے اور ان کو نہایت بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا۔

"اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ"

جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر حملہ ہوا اور دشمن ان کو شہید کر رہے تھے اس وقت آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا بہت چیخیں چلائیں لیکن بلوائیوں نے چونکہ بڑا شور و غوغا کر رکھا تھا اس لئے آپ کی چیخ و پکار کو کسی نے نہیں سنا۔ آپ کی شہادت کے بعد وہ کوٹھے پر گئیں اور لوگوں کو بتایا کہ امیر المؤمنین شہید کر دیئے گئے۔ لوگوں نے نیچے اُتر کر دیکھا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا پورا جسم خون آلود تھا اور ان کی روح پرواز کر چکی تھی۔

بعض روایتوں میں ہے کہ شہادت کے وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے جب تلوار لگی تو آیت کریمہ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ پر خون کے چند قطرات پڑے اور آپ کی بیوی صاحبہ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا نے تلوار کے وار کو جب اپنے ہاتھوں سے روکا تو انکی انگلیاں کٹ گئیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی برہمی

جب حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد اور دیگر صحابہ و اہل مدینہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو آپ کی شہادت کی خبر ملی تو سب کے ہوش اُڑ گئے۔ آپ کے مکان پر آئے آپ کو شہید دیکھ کر سب نے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس صورتحال سے اتنا غصہ پیدا ہوا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو ایک طمانچہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سینے پر ایک گھونسا مارا اور فرمایا كَيْفَ قُتِلَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْتُمَا عَلَى الْبَابِ۔ یعنی جب کہ تم دونوں دروازہ پر موجود تھے تو امیر المؤمنین کیسے شہید کر دیئے گئے۔ پھر آپ نے حضرت طلحہ کے صاحبزادے محمد اور حضرت زبیر کے صاحبزادے عبداللہ کو بھی سخت سست اور بُرا بھلا کہا۔

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ قاتل دروازہ سے نہیں داخل ہوئے تھے بلکہ پڑوس کے مکان سے کود کر آئے تھے تو آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ سے دریافت فرمایا کہ امیر المؤمنین کو کس نے شہید کیا۔ اُنہوں نے کہا کہ میں ان لوگوں کو تو نہیں جانتی جنہوں نے امیر المؤمنین کو شہید کیا۔ البتہ ان کے ساتھ محمد ابو بکر تھے جنہوں نے امیر المؤمنین کی داڑھی بھی پکڑی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابو بکر کو بلا کر قتل کے بارے میں ان سے دریافت فرمایا تو اُنہوں نے کہا کہ حضرت نائلہ سچ کہتی ہیں۔ بے شک

میں گھر کے اندر ضرور داخل ہوا تھا اور قتل کا ارادہ بھی کیا تھا لیکن جب اُنہوں نے میرے باپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا تو میں ان کو چھوڑ کر ہٹ گیا۔ میں اپنے اس فعل پر نادم وشرمندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرتا ہوں خدا کی قسم میں نے ان کو قتل نہیں کیا ہے۔ ابن عساکر نے کنانہ وغیرہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو جس نے شہید کیا وہ مصر کا رہنے والا تھا اس کی آنکھیں نیلی تھیں اور اس کا نام ''حمار'' تھا۔ (تاریخ الخلفاء)

اور بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ کے قاتل کا نام ''اَسوَد'' تھا۔ بہت ممکن ہے کہ محمد بن ابوبکر کے ساتھ دو بلوائی جو کہ آپ کے مکان میں کودے تھے اس میں سے ایک کا نام ''حمار'' اور دوسرے کا نام ''اسود'' رہا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ۳۵ھ ماہ ذی الحجہ کے ایام تشریق میں شہید ہوئے جبکہ آپ کی عمر بیاسی سال کی تھی آپ کے جنازہ کی نماز حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور آپ حش کوکب کے مقام پر جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔

در منشور قرآن کی سلک بہی زوج دو نور عفت پہ لاکھوں سلام
یعنی عثمان صاحب قمیص ہدیٰ حلہ پوش شہادت پہ لاکھوں سلام

وصلی اللہ تعالیٰ علی النبی الکریم

سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وعلی الہ واصحابہ اجمعین

امیر المؤمنین

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم

دُنیا میں بے شمار انسان پیدا ہوئے جن میں سے اکثر ایسے ہوئے کہ ان میں کوئی کمال وخوبی نہیں اور بعض لوگ ایسے ہوئے جو صرف چند خوبیاں رکھتے تھے مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی وہ ذات گرامی ہے جو بہت سے کمال وخوبیوں کی جامع ہے کہ آپ شیر خدا بھی ہیں اور داماد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی، حیدر کرار بھی ہیں اور صاحب ذوالفقار بھی، حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے شوہر نامدار بھی اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے والد بزرگوار بھی، صاحب سخاوت بھی اور صاحب شجاعت بھی، عبادت وریاضت والے بھی اور فصاحت و بلاغت والے بھی، حلم والے بھی اور علم والے بھی، فاتح خیبر بھی اور میدان خطابت کے شہسوار بھی، غرض کہ آپ بہت سے کمالات وخوبیوں کے جامع ہیں اور ہر ایک میں ممتاز و یگانۂ روزگار ہیں اسی سے دُنیا آپ کو مظہر العجائب والغرائب سے یاد کرتی ہے اور قیامت تک اس طرح یاد کرتی رہے گی۔

مرتضیٰ شیر حق اشجع الاشجعین   بابِ فضل و ولایت پہ لاکھوں سلام
شیر شمشیر زن شاہِ خیبر شکن   پَرتو دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام

نام ونسب

آپ کا نام ''علی بن ابی طالب'' اور کنیت ''ابوالحسن وابوتراب'' ہے۔ آپ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کے صاحبزادے ہیں یعنی حضور کے چچا زاد بھائی ہیں۔

آپ کی والدہ محترمہ کا اسم گرامی فاطمہ بنت اسد بن ہاشم ہے اور یہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے اسلام قبول کر کے ہجرت فرمائی۔ (تاریخ الخلفاء، ص ۱۱۳)

آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔ علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف۔ آپ واقعہ فیل کے ۳۰ سال بعد پیدا ہوئے اور اعلان نبوت سے پہلے ہی مولائے کل سیّد الرسل جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں آئے کہ جب قریش قحط میں مبتلا ہوئے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطالب پر عیال کا بوجھ ہلکا کرنے کیلئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو لے لیا تھا۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سائے میں آپ نے پرورش پائی اور انہیں کی گود میں ہوش سنبھالا، آنکھ کھلتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال جہاں آرا دیکھا' انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتیں سیکھیں۔ اس لئے بتوں کی نجاست سے آپ کا دامن کبھی آلودہ نہ ہوا یعنی آپ نے کبھی بت پرستی نہ کی اور اسی لئے کرم اللہ تعالیٰ وجہہ آپ کا لقب ہوا۔

(تنزیہ المکانۃ الحیدریہ وغیرہ)

آپ کا قبولِ اسلام

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نو عمر لوگوں میں سب سے پہلے اسلام سے مشرف ہوئے۔ تاریخ الخلفاء میں ہے کہ جب آپ ایمان لائے اس وقت آپ کی عمر مبارک دس سال تھی بلکہ بعض لوگوں کے قول کے مطابق نو سال اور بعض کہتے ہیں کہ آٹھ سال اور کچھ لوگ اس سے بھی کم بتاتے ہیں اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تنزیہ المکانۃ الحیدریہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ بوقت اسلام آپ کی عمر آٹھ دس سال تھی۔

آپ کے اسلام قبول کرنے کی تفصیل محمد بن اسحاق نے اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کو رات میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ جب یہ لوگ نماز سے فارغ ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ لوگ یہ کیا کر رہے تھے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایسا دین ہے جس کو اس نے اپنے لئے منتخب کیا اور اسی کی تبلیغ واشاعت کیلئے اپنے رسول کو بھیجا ہے۔ لہٰذا میں تم کو بھی ایسے معبود کی طرف بلاتا ہوں

جو اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں تم کو اسی کی عبادت کا حکم دیتا ہوں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے کہا کہ جب تک میں اپنے باپ ابو طالب سے دریافت نہ کرلوں اسکے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ چونکہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کا فاش ہونا منظور نہ تھا اسلئے آپ نے فرمایا اے علی! اگر تم اسلام نہیں لاتے ہو تو ابھی اس معاملہ کو پوشیدہ رکھو کسی پر ظاہر نہ کرو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اگر چہ اس وقت رات میں ایمان نہیں لائے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل میں ایمان کو واضح کر دیا تھا دوسرے روز صبح ہوتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی پیش کی ہوئی ساری باتوں کو قبول کر لیا اور اسلام لے آئے۔

آپ کی ہجرت

سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خدائے تعالیٰ کے حکم کے مطابق مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ کی ہجرت کا ارادہ فرمایا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو بلا کر فرمایا کہ مجھے خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم ہو چکا ہے لہٰذا میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا تم میرے بستر پر میری سبز رنگ کی چادر اوڑھ کر سو رہو تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی قریش کی ساری امانتیں جو میرے پاس رکھی ہوئی ہیں ان کے مالکوں کو دے کر تم بھی مدینہ چلے آنا۔

یہ موقع بڑا ہی خوفناک اور نہایت خطرہ کا تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو معلوم تھا کہ کفار قریش سونے کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں اسی لئے خدائے تعالیٰ نے آپ کو اپنے بستر پر سونے سے منع فرما دیا ہے۔ آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر قتل گاہ ہے۔ لیکن اللہ کے محبوب دانائے خفایا وغیوب جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے کہ "تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی قریش کی امانتیں دے کر تم بھی مدینہ چلے آنا"۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو پورا یقین تھا کہ دشمن مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکیں گے میں زندہ رہوں گا اور مدینہ ضرور پہنچوں گا۔ لہٰذا سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر جو آج بظاہر کانٹوں کا بچھونا تھا وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کیلئے پھولوں کی سیج بن گیا۔ اس لئے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ سورج مشرق کے بجائے مغرب سے نکل سکتا ہے مگر حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے خلاف نہیں ہوسکتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ میں رات بھر آرام سے سویا صبح اُٹھ کر لوگوں کی امانتیں انکے مالکوں کو سونپنا شروع کیں اور کسی سے نہیں چھپا۔ اسی طرح مکہ میں تین دن رہا پھر امانتوں کے ادا کرنے کے بعد میں بھی مدینہ کی طرف چل پڑا۔ راستہ میں بھی کسی نے مجھ سے کوئی تعرض نہ کیا یہاں تک کہ میں قبا میں پہنچا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت کلثوم رضی اللہ عنہ کے مکان میں تشریف فرماتھے میں بھی وہی ٹھہر گیا۔

اُخوت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی بہت سی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد اور چچا زاد بھائی ہونے کے ساتھ ''عقد مواخاۃ'' میں بھی آپ کے بھائی ہیں جیسا کہ ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ طیبہ میں اُخوت یعنی بھائی چارہ قائم کیا کہ دو دو صحابہ کو بھائی بھائی بنایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ روتے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے سارے صحابہ کے درمیان اُخوت قائم کی۔ ایک صحابی کو دوسرے صحابی کا بھائی بنایا مگر مجھ کو کسی کا بھائی نہ بنایا میں یوں ہی رہ گیا۔ تو سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ۔ یعنی تم دنیا اور آخرت دونوں میں میرے بھائی ہو۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۴)

آپ کی شجاعت

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور بہادری شہرۂ آفاق ہے، عرب وعجم میں آپ کی قوت بازو کے سکے بیٹھے ہوئے ہیں، آپ کے رعب و دبدبہ سے آج بھی بڑے بڑے پہلوانوں کے دل کانپ جاتے ہیں۔ جنگ تبوک کے موقع پر سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مدینہ طیبہ پر اپنا نائب مقرر فرما دیا تھا اسلئے اس میں حاضر نہ ہوسکے باقی تمام غزوات و جہاد میں شریک ہوکر بڑی جانبازی کے ساتھ کفار کا مقابلہ کیا اور بڑے بڑے بہادروں کو اپنی تلوار سے موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

جنگ بدر میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اسود بن عبدالاسد مخزومی کو کاٹ کر جہنم میں پہنچایا تو اس کے بعد کافروں کے لشکر کا سردار عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ بن ربیعہ اور اپنے بیٹے ولید بن عتبہ کو ساتھ لے کر میدان میں نکلا اور چلا کر کہا کہ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اشراف قریش میں سے ہمارے جوڑ کے آدمی بھیجئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا اے بنی ہاشم! اُٹھو اور حق کی حمایت میں لڑو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کو بھیجا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو سن کر حضرت حمزہ، حضرت علی اور حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہم دُشمن کی طرف بڑھے۔ لشکر کا سردار عتبہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مقابل ہوا اور ذلت کے ساتھ مارا گیا۔ ولید جسے اپنی بہادری پر بہت بڑا ناز تھا وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے مقابلہ کیلئے مست ہاتھی کی طرح جھومتا ہوا آگے بڑھا اور ڈینگیں مارتا ہوا آپ پر حملہ کیا مگر شیر خدا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے تھوڑی ہی دیر میں اسے مار گرایا اور ذوالفقار حیدری نے اس کے گھمنڈ کو خاک وخون میں ملا دیا۔ اس کے بعد آپ نے دیکھا کہ عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو زخمی کر دیا ہے تو آپ نے جھپٹ کر اس پر حملہ کیا اور اسے بھی جہنم میں پہنچا دیا۔

اور جنگ اُحد میں جب کہ مسلمان آگے اور پیچھے سے کفار کے بیچ میں آگئے جس کے سبب بہت سے لوگ شہید ہوئے تو اس وقت سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی کافروں کے گھیرے میں آگئے اور اُنہوں نے اعلان کر دیا کہ اے مسلمانو! تمہارے نبی قتل کر دیئے گئے اس اعلان کو سن کر مسلمان بہت پریشان ہو گئے یہاں تک کہ اِدھر اُدھر تتر بتر ہو گئے بلکہ ان میں سے بہت لوگ بھاگ بھی گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ جب کافروں نے مسلمانوں کو آگے پیچھے سے گھیر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری نگاہ سے اوجھل ہو گئے تو پہلے میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زندوں میں تلاش کیا مگر نہیں پایا پھر شہیدوں میں تلاش کیا وہاں بھی نہیں پایا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میدان جنگ سے بھاگ جائیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر اُٹھا لیا۔ اس لئے اب بہتر یہی ہے کہ میں بھی تلوار لے کر کافروں میں گھس جاؤں یہاں تک کہ لڑتے لڑتے شہید ہو جاؤں۔ فرماتے ہیں کہ میں نے

تلوار لے کر ایسا سخت حملہ کیا کہ کفار بیچ میں سے ہٹتے گئے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا تو مجھے بے انتہا خوشی ہوئی اور میں نے یقین کیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ اپنے حبیب کی حفاظت فرمائی ہے۔ میں دوڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر کھڑا ہوا کفار گروہ در گروہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کیلئے آنے لگے۔ آپ نے فرمایا علی ان کو روکو، تو میں نے تنہا ان سب کا مقابلہ کیا اور ان کے منہ پھیر دیئے اور کئی ایک کو قتل بھی کیا۔ اس کے بعد پھر ایک گروہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کی نیت سے بڑھا آپ نے پھر میری طرف اشارہ فرمایا تو میں نے پھر اس گروہ کا اکیلے مقابلہ کیا۔ اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام نے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میری بہادری اور مدد کی تعریف کی تو آپ نے فرمایا اِنَّـهٗ مِـنِّیْ وَاَنَا مِنْهُ ۔ یعنی بے شک علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں مطلب یہ ہے کہ علی کو مجھ سے کمال قرب حاصل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو سن کر حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا وَاَنَـا مِـنْـكُمَا ۔ یعنی میں تم دونوں سے ہوں۔

سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شہید ہو جانے کی نیت سے کافروں کے جتھے میں تنہا گھس جانا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے والے گروہ در گروہ سے اکیلے مقابلہ کرنا آپ کی بے مثال بہادری اور انتہائی دلیری کی خبر دیتا ہے ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے عشق اور سچی محبت کا بھی پتہ دیتا ہے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا

اور حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہی کہ جنگ خندق کے روز عمرو بن عبدِ وُد (جو ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا) ایک جھنڈا لئے ہوئے نکلا تا کہ وہ میدان جنگ کو دیکھئے۔ جب وہ اور اس کے ساتھ کے سوار ایک مقام پر کھڑے ہوئے تو اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے عمرو! تو قریش سے اللہ کی قسم دے کہ کہا کرتا تھا کہ جب کبھی مجھ کو کوئی شخص دو اچھے کاموں کی طرف بلاتا ہے تو میں اس میں سے ایک کو ضرور اختیار کرتا ہوں۔ اس نے کہا ہاں میں نے ایسا کہا تھا اور اب بھی کہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تجھے اللہ ورسول (جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم) اور اسلام کی

طرف بلاتا ہوں۔ عمرو نے کہا مجھے ان میں سے کسی کی حاجت نہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا تو اب میں تجھ کو مقابلہ کی دعوت دیتا ہوں اور اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ عمرو نے کہا اے میرے بھائی کے بیٹے کس لئے مقابلہ کی دعوت دیتا ہے خدا کی قسم میں تجھ کو قتل کرنا پسند نہیں کرتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا لیکن خدا کی قسم میں تجھ کو قتل کرنا پسند کرتا ہوں۔ یہ سن کر عمرو کا خون گرم ہو گیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی طرف متوجہ ہوا دونوں میدان میں آ گئے اور تھوڑی دیر مقابلہ ہونے کے بعد شیر خدا نے اسے موت کے گھاٹ اُتار کر جہنم میں پہنچا دیا۔

اور محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ عمرو بن عبدِ وُد میدان میں اس طرح نکلا کہ لوہے کی زرہیں پہنے ہوئے تھا اور اس نے بلند آواز سے کہا۔ ہے کوئی جو میرے مقابلہ میں آئے۔ اس آواز کو سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کھڑے ہوئے اور مقابلہ کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی۔ آپ نے فرمایا بیٹھ جاؤ۔ یہ عمرو بن عبدوُد ہے۔ دوسری بار عمرو نے پھر آواز دی کہ میرے مقابلہ کیلئے کون آتا ہے؟ اور مسلمانوں کو ملامت کرنی شروع کی۔ کہنے لگا تمہاری وہ جنت کہاں ہے جس کے بارے میں تم دعویٰ کرتے ہو کہ جو بھی تم میں سے مارا جاتا ہے وہ سیدھے اس میں داخل ہو جاتا ہے۔ میرے مقابلہ کیلئے کسی کو کیوں نہیں کھڑا کرتے ہو۔ دوبارہ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی مگر آپ نے پھر وہی فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ تیسری بار عمرو نے پھر وہی آواز دی اور کچھ اشعار بھی پڑھے۔ راوی کا بیان ہے کہ تیسری بار حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس کے مقابلہ کیلئے نکلوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ عمرو ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے عرض کیا چاہے عمرو ہی کیوں نہ ہو۔ تیسری بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اجازت دے دی۔ حضرت علی چل کر اس کے پاس پہنچے اور چند اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ ہے۔

اے عمرو! جلدی نہ کر۔ جو عاجز نہیں ہے وہ تیرے پاس تیری آواز کا جواب دینے والا سچی نیت اور بصیرت کے ساتھ آ گیا اور ہر کامیاب ہونے والے کو سچائی ہی نجات دیتی ہے۔

مجھے پوری اُمید ہے کہ میں تیرے جنازہ پر ایسی ضرب وسیع سے نوحہ کرنے والیوں کو قائم کروں گا کہ جس کا ذکر لوگوں میں باقی رہے گا۔

عمرو نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں علی ہوں۔اس نے کہا عبد مناف کے بیٹے ہو؟ آپ نے فرمایا میں علی بن ابی طالب ہوں۔اس نے کہا اے میرے بھائی کے بیٹے! تیرے چچاؤں میں سے ایسے بھی تو ہیں جو عمر میں تجھ سے زیادہ ہیں میں تیرا خون بہانے کو بُرا سمجھتا ہوں۔حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا مگر خدا کی قسم میں تیرا خون بہانے کو قطعاً بُرا نہیں سمجھتا۔ یہ سن کر وہ غصہ سے تلملا اُٹھا۔گھوڑے سے اُتر کر آگ کے شعلہ جیسی تلوار سونت لی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی طرف لپکا اور ایسا زبردست وار کیا کہ آپ نے ڈھال پر روکا تو تلوار اسے پھاڑ کر گھس گئی یہاں تک کہ آپ کے سر پر لگی اور زخمی کر دیا۔اب شیر خدا نے سنبھل کر اس کے کندھے کی رگ پر ایسی تلوار ماری کہ وہ گر پڑا اور غبار اڑا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نعرۂ تکبیر سنا جس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اسے جہنم پہنچا دیا۔ شیر خدا کی اس بہادری اور شجاعت دیکھ کر میدان جنگ کا ایک ایک ذرہ زبان حال سے پکار اُٹھا۔

شاہِ مرداں شیر یزداں قوتِ پروردگار　　لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیْ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفِقَار

یعنی حضرت علی بہادروں کے بادشاہ، خدا کے شیر اور قوتِ پروردگار ہیں۔ان کے جیسا کوئی جوان نہیں اور ذوالفقار جیسی کوئی تلوار نہیں۔

اسی طرح جنگ خیبر کے موقع پر بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے شجاعت اور بہادری کے وہ جوہر دکھائے ہیں جسکا ذکر ہمیشہ باقی رہے گا اور لوگوں کے دلوں میں جوش و ولولہ پیدا کرتا رہے گا۔

خیبر کا وہ قلعہ جو مُرحب کا پایۂ تخت تھا اس کا فتح کرنا آسان نہ تھا۔اس قلعہ کو سر کرنے کیلئے سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عنایت فرمایا اور دوسرے دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا لیکن فاتح خیبر ہونا تو کسی اور کے مقدر ہو چکا تھا اس لئے ان حضرات سے وہ فتح نہ ہوا۔ جب اس مہم میں بہت زیادہ دیر ہوئی تو ایک دن سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں یہ جھنڈا کل ایک ایسے شخص کو

دوں گا کہ جس کے ہاتھ پر خدائے تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا وہ شخص اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دوست رکھتا ہے اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دوست رکھتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خوشخبری کو سن کر صحابۂ کرام نے وہ رات بڑی بے قراری میں کاٹی اس لئے کہ ہر صحابی کی یہ تمنا تھی کہ اے کاش! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل صبح ہمیں جھنڈا عنایت فرماتے تو اس بات کی سند ہو جائے کہ ہم اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب رکھتے ہیں اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں چاہتے ہیں اور اس نعمت عظمیٰ و سعادت کبریٰ سے بھی سرفراز ہو جاتے کہ فاتح خیبر بن جاتے۔ اس لئے کہ وہ صحابی تھے وہابی نہیں تھے۔ ان کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں تھا کہ کل کیا ہونے والا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی کیا خبر؟ بلکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ کے محبوب دانائے خفایا و غیوب جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا ہے وہ کل ہو کر رہے گا۔ اس میں ذرہ برابر فرق نہیں ہو سکتا۔

جب صبح ہوئی تو تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اُمیدیں لئے ہوئے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور ادب کے ساتھ دیکھنے لگے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آج کس کو سرفراز فرماتے ہیں۔ سب کی ارمان بھری نگاہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لب مبارک کی جنبش پر قربان ہو رہی تھی کہ سرکار نے فرمایا اَیْنَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبْ ۔ یعنی علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! وہ آشوب چشم میں مبتلا ہیں ان کی آنکھیں دُکھتی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی جا کر ان کو بلا لائے۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم لائے گئے تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں پر لعاب دہن لگایا تو وہ بالکل ٹھیک ہو گئیں۔ حدیث شریف کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ فَبَصَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ عَیْنَیْہِ فَبَرًا اور ان کی آنکھیں اس طرح اچھی ہو گئیں گویا دُکھتی ہی نہ تھیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جھنڈا عنایت فرمایا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں ان لوگوں سے اس وقت تک لڑوں جب تک کہ وہ ہماری طرح مسلمان نہ ہو جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نرمی سے کام لو پہلے انہیں اسلام کی طرف بلاؤ اور پھر بتلاؤ کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ان پر کیا حقوق ہیں۔ خدا کی قسم اگر تمہاری کوشش سے ایک شخص کو بھی

ہدایت مل گئی تو وہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہوگا۔ (بخاری-مسلم-مشکوٰۃ ص ۵۶۴)

اسلام قبول کرنے یا صلح کرنے کے بجائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مقابلہ کرنے کیلئے مُرحّب یہ رجز پڑھتا ہوا قلعہ سے باہر نکلا۔

قَدْ عَلِمَتْ خَيْبَرُ اَنِّىْ مُرَحَّب　　　شَاكِى السِّلَاحِ بَطَلٌ مُجَرَّب

یعنی بے شک خیبر جانتا ہے کہ میں مُرحّب ہوں ہتھیاروں سے لیس، بہادر اور تجربہ کار ہوں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اس کے جواب میں رجز کا یہ شعر پڑھا۔

اَنَا الَّذِىْ سَمَّتْنِىْ اُمِّىْ حَيْدَرَهْ　　　كَلَيْثِ غَابَاتٍ كَرِيْهِ الْمَنْظَرَهْ

یعنی میں وہ شخص ہوں کہ میری ماں نے میرا نام ''شیر'' رکھا ہے۔ میری صورت جھاڑیوں میں رہنے والے شیر کی طرح خوفناک ہے۔

مُرحّب بڑے گھمنڈ سے آیا تھا لیکن شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس روز سے تلوار ماری کہ اس کے سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک پہنچ گئی اور وہ زمین پر ڈھیر ہوگیا۔ اس کے بعد آپ نے فتح کا اعلان فرمادیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس روز آپ نے خیبر کا دروازہ اپنی پیٹھ پر اُٹھالیا تھا اور اس پر مسلمانوں نے چڑھ کر قلعہ کو فتح کرلیا تھا۔ اس کے بعد آپ نے وہ دروازہ پھینک دیا۔ جب لوگوں نے اسے گھسیٹ کر دوسری جگہ ڈالنا چاہا تو چالیس آدمیوں سے کم اسے اُٹھا نہ سکا۔ (تاریخ الخلفاء، ص ۱۱۴)

اور بن عساکر نے ابورافع سے روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے جنگ خیبر میں قلعہ کا پھاٹک ہاتھ میں لے کر اس کو ڈھال بنالیا اور پھاٹک ان کے ہاتھ میں برابر رہا اور وہ لڑتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں خیبر کو فتح فرمایا۔ اس کے بعد پھاٹک کو آپ نے پھینک دیا۔ لڑائی سے فارغ ہونے کے بعد ہمارے ساتھ کئی آدمیوں نے مل کر اسے پلٹنا چاہا مگر وہ نہیں پلٹا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۱۴)

آپ کا حلیہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم جسم کے فربہ تھے۔ اکثر خود استعمال کرنے کی وجہ سے سر کے بال اُڑے ہوئے تھے۔ آپ نہایت قوی اور میانہ قد مائل بہ پستی تھے۔ آپ کا پیٹ

دیگر اعضاء کے اعتبار سے کسی قدر بھاری تھا۔ مونڈھوں کے درمیان کا گوشت بھرا ہوا تھا۔ پیٹ سے نیچے کا جسم بھاری تھا۔ رنگ گندمی تھا۔ تمام جسم پر لمبے لمبے بال۔ آپ کی ریش مبارک گھنی اور دراز تھی۔

مشہور ہے کہ ایک یہودی کی داڑھی بہت مختصر تھی ٹھوڑی پر صرف چند گنتی کے بال تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی داڑھی مبارک بڑی گھنی اور لمبی تھی۔ ایک دن وہ یہودی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے کہنے لگا اے علی! تمہارا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن میں سارے علوم ہیں اور تم باب مدینۃ العلم ہو تو بتاؤ قرآن میں تمہاری گھنی داڑھی اور میری مختصر داڑھی کا بھی ذکر ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا...... ہاں سورۂ اعراف میں ہے وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا ۔ یعنی جو اچھی زمین ہے اس کی ہریالی اللہ کے حکم سے خوف نکلتی ہے اور جو خراب ہے اس میں سے نہیں نکلتی مگر تھوڑی بمشکل۔ (سورۃ الاعراف: پ ۸ ع ۱۴)

تو اے یہودی وہ اچھی زمین ہماری ٹھوڑی ہے اور خراب زمین تیری ٹھوڑی۔

معلوم ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا علم بہت وسیع تھا کہ اپنی گھنی داڑھی اور یہودی کی مختصر داڑھی کا ذکر آپ نے قرآن مجید میں ثابت کر دکھایا اور یہ بھی ثابت ہوا کہ قرآن سارے علوم کا خزانہ ہے مگر لوگوں کی عقلیں اس کے سمجھنے سے قاصر ہیں ایک شاعر نے بہت خوب کہا ہے۔

جَمِيْعُ الْعِلْمِ فِي الْقُرْاٰنِ لٰكِنْ   تَقَاصَرَ عَنْهُ اَفْهَامُ الرِّجَالِ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور احادیث کریمہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں وارد ہیں بلکہ امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں جتنی حدیثیں آپ کی فضیلت میں ہیں کسی اور صحابی کی فضیلت میں اتنی حدیثیں نہیں ہیں۔ بخاری اور مسلم میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر جب رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو مدینہ طیبہ میں رہنے کا حکم فرمایا اور اپنے ساتھ نہیں لیا تو اُنہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ مجھے یہاں عورتوں اور بچوں پر اپنا خلیفہ بنا کر چھوڑے

جاتے ہیں۔تو سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَمَا تَرْضیٰ اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسیٰ ۔ یعنی کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ میں تمہیں اس طرح چھوڑے جاتا ہوں کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کو چھوڑ گئے۔البتہ فرق صرف اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر جانے کے وقت چالیس دن کیلئے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو بنی اسرائیل پر اپنا خلیفہ بنایا تھا اسی طرح جنگ تبوک کی روانگی کے وقت میں تم کو اپنا خلیفہ اور نائب بنا کر جا رہا ہوں۔لہٰذا جو مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک حضرت ہارون علیہ السلام کا تھا وہی مرتبہ ہماری بارگاہ میں تمہارا ہے۔اسلئے اے علی! تمہیں خوش ہونا چاہئے۔تو ایسا ہی ہوا کہ اس خوشخبری سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو تسلی ہوگئی۔

رافضی اس حدیث شریف سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفۂ بلافصل ہونے کا استدلال کرتے ہیں جو صحیح نہیں۔اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خلیفۂ مطلق نہیں بنایا تھا بلکہ ان کی خلافت محض خانگی امور کی نگرانی اور اہل وعیال کی دیکھ بھال کیلئے تھی اسی سبب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ کا صوبہ دار، حضرت سباع عرفطہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ کا کوتوال اور حضرت ابن اُم مکتوم کو اپنی مسجد کا امام بنایا تھا۔(رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا علی سے منافق محبت نہیں کرتا اور مومن علی سے بغض وعداوت نہیں رکھا۔(ترمذی)

سبحان اللہ...... حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی کیا ہی بلند و بالا شان کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے محبت نہ کرنے کو منافق ہونے کی علامت ٹھہرایا اور آپ سے بغض وعداوت رکھنے کو مومن نہ ہونے کا معیار قرار دیا۔یعنی جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے محبت نہ کرے وہ منافق ہے اور جو ان سے بغض وعداوت رکھے وہ مومن نہیں ہے۔

اور حضرت اُم اسلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ سَبَّ عَلِیًّا فَقَدْ سَبَّنِیْ ۔ یعنی جس نے علی کو بُرا بھلا کہا تو تحقیق اس نے مجھ کو بُرا بھلا

کہا۔(مشکوٰۃ)

یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنا قرب اور نزدیکی حاصل ہے کہ جس نے ان کی شان میں گستاخی و بے ادبی کی تو گویا کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی و بے ادبی کی۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کی توہین کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنا ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

اور حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ایک کھلے ہوئے میدان میں بہت سے لوگوں کو جمع کر کے فرمایا کہ میں اللہ کی قسم دے کر تم لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوم غدیر میں میرے متعلق کیا ارشاد فرمایا تھا؟ تو اس مجمع سے تیس آدمی کھڑے ہوئے اور ان لوگوں نے گواہی دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز فرمایا تھا مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ ۔ یعنی میں جس کا مولیٰ ہوں علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے مولیٰ ہیں۔ یا اللہ عزوجل! جو شخص علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو شخص علی رضی اللہ عنہ سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ۔ (تاریخ الخلفاء)

اور طبرانی میں و بزار حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور ترمذی و حاکم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا ۔ یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ والرضوان تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے اور جنہوں نے اس کو موضوع کہا ہے اُنہوں نے غلطی کی ہے۔ (تاریخ الخلفاء، ص ۱۱۶)

اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ اَحَبَّ عَلِيًّا فَقَدْ اَحَبَّنِيْ ۔ یعنی جس نے علی رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی وَمَنْ اَحَبَّنِيْ فَقَدْ اَحَبَّ اللّٰهَ ۔ اور جس نے مجھ سے محبت کی تو اس نے اللہ تعالیٰ سے محبت کی۔ وَمَنْ اَبْغَضَ عَلِيًّا فَقَدْ اَبْغَضَنِيْ وَمَنْ اَبْغَضَنِيْ فَقَدْ اَبْغَضَ اللّٰهَ ۔ یعنی جس نے علی رضی اللہ عنہ سے دُشمنی کی اس نے مجھ سے دُشمنی کی اور جس نے مجھ سے دُشمنی کی اُس نے اللہ سے دشمنی کی۔ (تاریخ الخلفاء بحوالہ طبرانی)

اور بزار، ابویعلی اور حاکم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت کرتے ہیں کہ اُنہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ تمہاری حالت حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہے کہ یہودیوں نے ان سے یہاں تک دشمنی کی کہ ان کی والدہ حضرت مریم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) پر تہمت لگائی اور نصاریٰ نے ان سے محبت کی تو اس قدر حد سے بڑھ گئے کہ ان کو اللہ یا اللہ کا بیٹا کہہ دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا تو کان کھول کر سن لو۔ میرے بارے میں بھی دو گروہ ہلاک ہوں گے۔ ایک میری محبت میں حد سے تجاوز کرے گا اور میری ذات سے ان باتوں کو منسوب کرے گا جو مجھ میں نہیں ہیں اور دوسرا گروہ اس قدر بغض وعداوت رکھے گا کہ مجھ پر بہتان لگائے گا۔ (تاریخ الخلفاء)

اس حدیث شریف کی پیشین گوئی حرف بحرف صحیح ہوئی۔ بے شک حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے بارے میں دو فرقے گمراہ ہو کر ہلاک ہوئے۔ ایک رافضی اور دوسرے خارجی۔ رافضی اس لئے ہلاک ہوئے کہ اُنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو حد سے بڑھایا یہاں تک کہ ان کو خدا کہہ دیا (دیکھئے تحفۂ اثنا عشریہ باب اوّل) اور خارجیوں نے ان سے اس قدر بغض وعداوت رکھی کہ ان کو کافر کہہ دیا۔ (معاذ اللہ رب العالمین)

ابوتراب

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی ایک کنیت ابوتراب بھی ہے جیسا کہ شروع میں بتایا جا چکا ہے۔ جب کوئی شخص آپ کو ابوتراب کہہ کر پکارتا تھا تو آپ بہت خوش ہوتے تھے اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لطف کرم کے مزے لیتے تھے اس لئے کہ یہ کنیت آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے عنایت ہوئی تھی۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز آپ مسجد میں آ کر لیٹے ہوئے تھے اور آپ کے جسم پر کچھ مٹی لگ گئی تھی کہ اتنے میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور اپنے مبارک ہاتھوں سے آپ کے بدن کی مٹی جھاڑتے ہوئے فرمایا قُمْ یَا اَبَا تُرَابْ ۔ یعنی اے مٹی والے! اُٹھو اس روز سے آپ کی کنیت ابوتراب ہو گئی۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

خلفائے ثلاثہ اور حضرت علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم خلفائے ثلاثہ میں سے ہر ایک کی خلافت کو بخوشی منظور

فرمایا ہے اور کسی کی خلافت سے انکار نہیں کیا ہے جیسا کہ ابن عساکر نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بصرہ تشریف لائے تو ابن الکواء اور قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہما نے کھڑے ہو کر آپ سے پوچھا کہ آپ ہمیں یہ بتلایئے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے وعدہ فرمایا تھا کہ میرے بعد تم خلیفہ ہو گے تو یہ بات کہاں تک سچ ہے اس لئے کہ آپ سے زیادہ اس معاملہ میں صحیح بات اور کون کہہ سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ غلط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کوئی وعدہ فرمایا تھا جب میں نے سب سے پہلے آپ کی نبوت کی تصدیق کی تو اب میں غلط بات آپ کی طرف منسوب نہیں کر سکتا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کا کوئی وعدہ مجھ سے کیا ہوتا تو میں حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر نہ کھڑا ہونے دیتا میں ان دونوں کو انہیں ہاتھوں سے قتل کر ڈالتا چاہے میرا ساتھ دینے والا کوئی نہ ہوتا۔ یہ تو سب لوگ جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اچانک کسی نے قتل نہیں کیا اور نہ آپ کا یکایک وصال ہوا بلکہ کئی دن تک آپ کی طبیعت ناساز رہی اور جب آپ کی بیماری نے زور پکڑا اور مؤذن نے آپ کو نماز کیلئے بلایا تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم فرمایا اور مشاہدہ فرماتے رہے۔ مؤذن نے پھر آپ کو نماز کیلئے بلایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کیلئے فرمایا۔ آپ کی ازواج مطہرات میں سے ایک نے (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت سے باز رکھنا چاہا تو آپ نے ناراضگی ظاہر کی اور فرمایا کہ تم لوگ تو یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی عورتیں ہو۔ ابوبکر صدیق سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو ہم نے خلافت کے متعلق غور کرنے کے بعد پھر انہیں کو اپنی دُنیا کیلئے اختیار کر لیا جس کو پیارے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین یعنی نماز کیلئے منتخب فرمایا تھا چونکہ نماز دین کی اصل ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دین و دُنیا دونوں کے قائم فرمانے والے تھے اس لئے ہم سب نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور سچی بات یہی

ہے کہ وہی اس کے اہل بھی تھے۔اسی لئے کسی نے آپ کی خلافت میں اختلاف نہیں کیا اور نہ کسی نے کسی کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا اور نہ کسی نے آپ کی خلافت سے روگردانی کی۔ اسی بناء پر میں نے بھی آپ کا حق ادا کیا اور آپ کی اطاعت کی میں نے آپ کے لشکر میں شریک ہوکر کافروں سے جنگ کی۔ مال غنیمت یا بیت المال سے جو آپ نے دیا وہ ہم نے بخوشی قبول کیا اور جہاں کہیں آپ نے مجھے جنگ کیلئے بھیجا میں گیا اور دل کھول کر لڑا یہاں تک کہ ان کے حکم سے شرعی سزائیں بھی دیں یعنی حدود جاری کئے۔

پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت قریب آیا تو اُنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ بنایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بہترین جانشین اور سنت نبوی پر عمل کرنے والے تھے تو ہم نے ان کے ہاتھ پر بھی بیعت کر لی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے پر بھی کسی شخص نے بالکل اختلاف نہیں کیا اور نہ کوئی کسی کو نقصان پہنچانے کے در پے ہوا اور ایک فرد بھی آپ کی خلافت سے بیزار نہیں ہوا۔ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حقوق بھی ادا کئے اور پورے طور پر ان کی اطاعت کی اور ان کے لشکر میں بھی شریک ہوکر دشمنوں سے جنگ کی اور اُنہوں نے جو کچھ مجھے دیا میں نے خوشی سے لے لیا۔ اُنہوں نے مجھے لڑائیوں پر بھیجا میں نے دل کھول کر کافروں سے مقابلہ کیا اور آپ کے زمانۂ خلافت میں بھی اپنے کوڑوں سے مجرموں کو سزائیں دیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وصال کا وقت قریب آیا تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی قرابت، اسلام لانے میں سبقت، اور اپنی دوسری فضیلتوں کی جانب دل میں غور کیا تو مجھے یہ خیال ضرور پیدا ہوا کہ اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو میری خلافت کے بارے میں کوئی اعتراض نہ ہوگا لیکن غالباً حضرت عمر کو یہ خوف ہوا کہ وہ کہیں ایسا خلیفہ نامزد نہ کر دیں کہ جس کے اعمال کا خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قبر میں جواب دینا پڑے۔ اس خیال کے پیش نظر اُنہوں نے اپنی اولاد کو بھی خلافت کیلئے نامزد نہیں فرمایا بلکہ خلیفہ کے مقرر کرنے کا مسئلہ چھ قریشیوں کے سپرد کیا جن میں سے ایک میں بھی تھا۔ جب ان چھ ممبروں نے

انتخاب خلیفہ کیلئے اجلاس طلب کیا تو مجھے خیال پیدا ہوا کہ اب خلافت میرے سپرد کر دی جائے گی، یہ کمیٹی میرے برابر کسی دوسرے کو حیثیت نہیں دے گی اور مجھی کو خلیفہ منتخب کرے گی۔ جب کمیٹی کے سب افراد جمع ہو گئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ہم لوگوں سے وعدہ لیا کہ اللہ تعالیٰ ہم میں سے جس کو خلیفہ مقرر فرما دے ہم سب اس کی اطاعت کریں گے اور اس کے احکام کو خوشی سے بجالائیں گے۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس وقت میں نے سوچا کہ میری اطاعت میری بیعت پر غالب آ گئی اور مجھ سے جو وعدہ لیا گیا تھا وہ اصل میں دوسرے کی بیعت کیلئے تھا۔ بہرحال میں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بھی بیعت کر لی اور خلیفہ اول و دوم کی طرح ان کی اطاعت بھی قبول کر لی۔ ان کے حقوق ادا کیے، ان کے سرکردگی میں جنگیں لڑیں، ان کے عطیات کو قبول کیا اور مجرموں کو شرعی سزائیں بھی دیں۔

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ دونوں خلیفہ کہ جن سے میں نے نماز کے سبب بیعت کی تھی وصال فرما چکے اور جن کیلئے مجھ سے وعدہ لیا گیا تھا وہ بھی رخصت ہو گئے۔ لہٰذا یہ سوچ کر میں نے بیعت لینا شروع کر دی۔ مکہ معظّمہ و مدینہ طیبہ کے باشندوں نے اور کوفہ و بصرہ کے رہنے والوں نے میری بیعت کر لی۔ اب خلافت کیلئے میرے مقابل وہ شخص کھڑا ہوا ہے (یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) جو قرابت، علم اور سبقت اسلام میں میرے برابر نہیں۔ اس لئے میں اس شخص کے مقابلہ میں خلافت کا زیادہ مستحق ہوں۔ (تاریخ الخلفاء، ص ۱۲۱)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے اس تفصیلی بیان سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد ان کو خلافت کیلئے نامزد نہیں فرمایا تھا اور نہ ان سے اس قسم کا کوئی وعدہ فرمایا تھا اسی لئے آپ نے خلفائے ثلاثہ کی بیعت سے انکار نہیں کیا اور نہ ان کی مخالفت کی بلکہ ہر طرح سے ان کا تعاون کیا اور ان کے عطیات کو قبول فرمایا۔

دراصل راز یہ ہے کہ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بلافصل خلیفہ منتخب ہو جاتے تو خلفائے ثلاثہ محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت و نیابت کی نعمت سے سرفراز نہ ہو پاتے۔ سب حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے عہد

ہی میں انتقال کر جاتے حالانکہ علم الٰہی میں یہ مقدر ہو چکا تھا وہ تینوں حضرات بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت سے سرفراز ہوں گے تو خدائے تعالیٰ نے صحابۂ کرام کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ وہ اسی ترتیب سے خلیفہ منتخب کریں کہ جس ترتیب کے ساتھ وہ دُنیا سے رخصت ہونے والے ہیں تاکہ ان میں سے کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت سے محروم نہ رہے۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

آپ کا علم

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم علم کے اعتبار سے بھی علمائے صحابہ میں بہت اُونچا مقام رکھتے ہیں۔ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی حدیثیں آپ سے مروی ہیں۔ آپ کے فتوے اور فیصلے اسلامی علوم کے انمول جواہر پارے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہم نے جب بھی آپ سے کسی مسئلہ کو دریافت کیا تو ہمیشہ درست ہی جواب پایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ علی سے زیادہ مسائل شرعیہ کا جاننے والا کوئی اور نہیں ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں علم فرائض اور مقدمات کے فیصلہ کرنے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے زیادہ علم رکھنے والا کوئی دوسرا نہیں تھا اور حضرت سعید بن میتب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سوائے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے کوئی یہ کہنے والا نہیں تھا کہ جو کچھ پوچھنا ہو مجھ سے پوچھ لو اور حضرت سعید بن میتب رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں کوئی مشکل مقدمہ پیش ہوتا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم موجود نہ ہوتے تو وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرتے تھے کہ مقدمہ کا فیصلہ کہیں غلط نہ ہو جائے۔ (تاریخ الخلفاء)

مشہور ہے کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک ایسی عورت پیش کی گئی جسے زنا کا حمل تھا۔ ثبوت شرعی کے بعد آپ نے اس سنگسار کا حکم فرمایا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے یاد دلایا کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ حاملہ عورت کو بچہ پیدا ہونے کے بعد سنگسار کیا جائے۔ اس لئے کہ زنا کرنے والی عورت اگرچہ گنہگار ہوتی ہے

مگراس کے پیٹ کا بچہ بے قصور ہوتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی یاد دہانی کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے فیصلہ سے رجوع کرلیا اور فرمایا **لَوْ لاَ عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ** یعنی اگر علی نہ ہوتے عمر ہلاک ہو جاتا۔ علی کی موجودگی نے عمر کو ہلاکت سے بچالیا۔

(رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

آپ کے فیصلے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے فیصلے ایسے عجیب وغریب اور نادر روزگار ہیں کہ جنہیں پڑھ کر بڑے بڑے عقلمندوں اور دانشوروں کی عقلیں حیران ہیں اور یہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک اور ان کی دُعا کی برکت ہے۔ خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن کی جانب قاضی بنا کر بھیجنا چاہا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں ابھی ناتجربہ کار جوان ہوں معاملات طے کرنا نہیں جانتا ہوں اور آپ مجھے یمن بھیجتے ہیں۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا الہ العالمین! اس کے قلب کو روشن فرمادے اور اس کی زبان میں تاثیر عطا فرمادے، ''قسم ہے اس ذات کی جو چھوٹے سے بیج سے بڑا درخت پیدا کرتا ہے'' اس دُعا کے بعد سے پھر کبھی مجھے کسی مقدمہ کے فیصلہ میں کوئی تردد نہیں رہا۔ بغیر کسی شک وشبہ کے میں نے ہر مقدمہ کا تصفیہ کردیا۔

آقا اور غلام

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یمن کے ایک شخص نے اپنے غلام کو اپنے لڑکے کے ساتھ کوفہ بھیجا۔ اتفاق سے راستہ میں دونوں نے آپس میں جھگڑا کیا۔ لڑکے نے غلام کو مارا اور غلام نے اسے گالیاں دیں۔ کوفہ پہنچ کر غلام نے دعویٰ کیا کہ یہ لڑکا میرا غلام ہے اور اسے بیچنا چاہا۔

یہ مقدمہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی عدالت میں پہنچا۔ آپ نے خادم قنبر سے فرمایا کہ اس کمرہ کی دیوار میں دو بڑے بڑے سوراخ بناؤ اور ان دونوں سے کہو کہ اپنے اپنے سر ان سوراخوں سے باہر نکالیں۔ جب یہ سب ہو گیا تو آپ نے فرمایا اے قنبر! رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار لاؤ۔ جب حضرت قنبر تلوار لے آئے تو آپ نے فرمایا فوراً غلام کا سر کاٹ لو۔ اتنا سنتے ہی غلام نے فوراً اپنا سر اندر کھینچ لیا اور دوسرا نوجوان اپنی حالت پر قائم رہا۔ اس طرح آپ کے اجلاس میں بغیر کسی گواہ وشہادت کے فیصلہ ہو گیا کہ آقا کون ہے اور غلام کون ہے؟ آپ نے غلام کو سزا دی اور اسے یمن بھیج دیا۔ (عشرۂ مبشرہ)

حقیقی ماں

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ دو عورتیں ایک لڑکے کے متعلق جھگڑا کرتی ہوئی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے پاس آئیں دونوں کا کہنا تھا کہ یہ لڑکا ہمارا ہے۔ آپ نے پہلے ان دونوں کو بہت سمجھایا لیکن جب ان کی ہنگامہ آرائی جاری رہی تو آپ نے حکم دیا آرہ لاؤ۔ اُنہوں نے پوچھا آرہ کس لئے منگوا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اس لڑکے کے دو ٹکڑے کر کے دونوں کو آدھا آدھا دوں گا۔ حقیقت میں اس لڑکے کی جو ماں تھی یہ سن کر بے قرار ہو گئی اور اس کے چہرہ سے غمگینی ظاہر ہوئی۔ اس نے نہایت عاجزی سے عرض کیا امیر المؤمنین! میں اس لڑکے کو نہیں لینا چاہتی۔ یہ اسی عورت کا ہے آپ اسی کو دے دیجئے مگر خدا کے واسطے اس کو قتل نہ کیجئے۔ آپ نے وہ لڑکا اسی بے قرار عورت کو دے دیا جو عورت خاموش کھڑی رہی آپ نے اس سے فرمایا کہ تم کو شرم آنی چاہئے کہ تم نے میرے اجلاس میں جھوٹا بیان دیا۔ یہاں تک کہ اس عورت نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔ (عشرۂ مبشرہ)

ایک شخص کی وصیت

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے مرتے وقت اپنے ایک دوست کو دس ہزار درہم دیئے اور وصیت کی کہ جب تم سے میرے لڑکے سے ملاقات ہو تو اس میں سے جو تم چاہو وہ اس کو دے دینا۔ اتفاق سے کچھ روز بعد اس کا لڑکا وطن میں آ گیا۔ اس موقع پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اس شخص سے پوچھا کہ بتاؤ تم مرحوم کے لڑکے کو کتنا دو گے؟ اس نے کہا ایک ہزار درہم۔ آپ نے فرمایا اب تم اس کو نو ہزار دو۔ اس لئے کہ جو تم نے چاہا وہ نو ہزار ہیں اور مرحوم نے یہ وصیت کی کہ جو تم چاہو وہ اس کو دے دینا۔
(عشرۂ مبشرہ)

سترہ اُونٹ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خدمت میں تین شخص آئے ان کے پاس سترہ اونٹ تھے۔ ان لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ ان اونٹوں کو آپ ہمارے درمیان تقسیم کر دیں۔ ہم میں ایک شخص آدھے کا حصہ دار ہے دوسرا تہائی کا اور تیسرا نوویں حصہ کا۔ مگر شرط یہ ہے کہ پورے پورے اونٹ ہر شخص کو ملیں۔ کاٹ کر تقسیم نہ کریں اور نہ کسی سے کچھ پیسہ دلائیں۔

بڑے بڑے دانشور جو آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اُنہوں نے آپس میں کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ پورے پورے اونٹ ہر شخص کو ملیں اور وہ کاٹے نہ جائیں نہ کسی سے کچھ پیسے دلائے جائیں۔ اس لئے کہ جو شخص آدھے کا حصہ دار ہے اسے سترہ میں ساڑھے آٹھ ملے گے اور جو شخص تہائے کا حق دار ہے پونے چھ (5.75) ہی اونٹ پائے گا۔ سترہ میں سے پورا چھ اسے بھی نہیں ملے گا اور جس کا حصہ نوواں ہے سترہ میں سے وہ بھی دو سے کم ہی پائے گا تو ایک دو نہیں بلکہ تین اونٹ ذبح کئے بغیر' سترہ اونٹوں کی تقسیم ان کے لوگوں کے درمیان ہرگز نہیں ہوسکتی۔

مگر قربان جایئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی عقل و دانائی اور ان کی قوت فیصلہ پر کہ آپ نے بلا تامل فوراً ان کے اونٹوں کو ایک لائن میں کھڑا کروا دیا اور اپنے خادم سے فرمایا کہ ہمارا ایک اونٹ اسی لائن کے آخر میں لا کر کھڑا کر دو۔ جب آپ کے اونٹ کو ملا کر کل اٹھارہ اونٹ ہو گئے تو جو شخص آدھے کا حصہ دار تھا آپ نے اسے اٹھارہ میں سے نو دیے اور تہائی حصہ دار کو اٹھارہ میں سے چھ۔ پھر نوویں کے حصہ دار کو اٹھارہ میں سے دو دیے اور اپنے اونٹ کو پھر اپنی جگہ پر بھجوا دیا۔

اس طرح آپ نے نہ تو کوئی اونٹ کاٹا اور نہ ہی کسی کو کچھ نقد پیسہ دلوایا اور سترہ اونٹوں کو ان کی شرط کے مطابق تقسیم فرما دیا جس پر کسی شخص کو کوئی اعتراض نہیں ہوا۔

آپ کے اس فیصلہ کو دیکھ کر سارے حاضرین دنگ ہو گئے اور سب بیک زبان پکار اُٹھے کہ بے شک آپ کا سینہ فضل و کمال کا خزینہ' حکمت و عدالت کا سفینہ اور علم نبوت کا مدینہ ہے۔ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم۔

آٹھ روٹیاں

دو آدمی سفر میں ایک ساتھ کھانا کھانے کیلئے بیٹھے۔ ان میں سے ایک کی پانچ روٹیاں تھیں دوسرے کی تین۔ اتنے میں ایک شخص اُدھر سے گزرا اس نے دونوں کو سلام کیا۔ اُنہوں نے اس کو بھی اپنے ساتھ کھانے پر بٹھالیا اور تینوں نے مل کر وہ سب روٹیاں کھائیں۔ کھانے سے فارغ ہو کر اس تیسرے شخص نے آٹھ درہم دیئے اور کہا آپس میں بانٹ لینا۔ جب وہ شخص چلا گیا تو پانچ روٹیوں والے نے کہا کہ میں پانچ درہم لوں گا کہ میری پانچ روٹیاں تھیں اور تم تین درہم لو کہ تمہاری تین ہی تھیں۔ تین روٹی والے نے کہا نہیں بلکہ آدھے درہم ہمارے ہیں اور آدھے تمہارے اس لئے کہ ہم دونوں نے مل کر روٹیاں کھائیں ہیں۔ لہٰذا دونوں کا حصہ برابر چار چار درہم ہوگا۔ جب دونوں میں معاملہ طے نہ ہوا تو اس جھگڑے کا فیصلہ کرانے کیلئے دونوں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے اجلاس میں پہنچے۔ آپ نے سارا واقعہ سننے کے بعد تین روٹی والے سے فرمایا کہ تمہارا ساتھی جو تین درہم تم کو دے رہا ہے لے لو۔ اس لئے کہ تمہاری روٹیاں کم تھیں تین روٹیوں والے نے کہا کہ میں اس غیر منصفانہ فیصلہ پر راضی نہیں ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ غیر منصفانہ فیصلہ نہیں ہے۔ حساب سے تو تمہارا ایک ہی درہم ہوتا ہے۔ اس نے کہا آپ حساب ہمیں سمجھا دیجئے تو ہم ایک ہی درہم لے لیں گے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کان کھول کر سنو! تمہاری تین روٹیاں تھیں اور اس کی پانچ۔ کل آٹھ روٹیاں ہوئیں اور کھانے والے کل تین تھے۔ تو ان آٹھ روٹیوں کے تین تین ٹکڑے کرو تو کل چوبیس ٹکڑے ہوئے۔ اب ان چوبیس ٹکڑوں کو تین کھانے والوں پر تقسیم کرو تو آٹھ آٹھ ٹکڑے سب کے حصے میں آئے۔ یعنی آٹھ ٹکڑے تم نے کھائے آٹھ تمہارے ساتھی نے اور آٹھ اس تیسرے شخص نے۔ اب غور سے سنو! تمہاری تین روٹیوں کے تین تین ٹکڑے کریں تو نو ٹکڑے بنتے ہیں اور تمہارے ساتھی کی پانچ روٹیوں کے تین تین ٹکڑے کریں تو پندرہ ٹکڑے بنتے ہیں تو تم نے اپنے نو ٹکڑوں میں سے آٹھ ٹکڑے خود کھائے اور تمہارا صرف ایک ٹکڑا بچا جو اس تیسرے شخص نے کھایا لہٰذا تمہارا صرف ایک درہم ہوا اور تمہارے ساتھی نے اپنے پندرہ ٹکڑوں میں سے آٹھ خود کھائے اور اس کے سات ٹکڑے اس

تیسرے شخص نے کھائے لٰہذا سات درہم اس کے ہوئے۔ یہ فیصلہ سن کر تین روٹی والا حیران ہو گیا۔ مجبوراً اسے ایک ہی درہم لینا پڑا اور دل میں کہنے لگا۔ اے کاش! میں تین درہم لے لئے ہوتے تو اچھا تھا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی کرامتیں

امیر المؤمنین حضرت سیّدنا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے بہت سی کرامتوں کا ظہور ہوا ہے جن میں سے چند کرامتوں کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

حضرت علامہ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ کوفہ میں ایک روز حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے صبح کی نماز پڑھنے کے بعد ایک شخص سے فرمایا کہ فلاں مقام پر جاؤ وہاں ایک مسجد ہے جس کے پہلو میں ایک مکان واقع ہے اس میں ایک مرد ایک عورت آپس میں لڑتے ہوئے ملیں گے انہیں ہمارے پاس لے آؤ۔ وہ شخص وہاں پہنچا تو دیکھا واقعی وہ دونوں آپس میں جھگڑا کر رہے ہیں۔ آپ کے حکم کے مطابق وہ ان دونوں کو ساتھ لے آیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آج رات تم دونوں میں بہت لڑائی ہوئی۔ نوجوان نے کہا اے امیر المؤمنین! میں نے اس عورت سے نکاح کیا لیکن جب میں اس کے پاس آیا تو اس کی صورت سے مجھے سخت نفرت ہوگئی۔ اگر میرا بس چلتا تو اس عورت کو میں اسی وقت اپنے پاس سے دُور کر دیتا۔ اس نے مجھ سے جھگڑنا شروع کر دیا اور صبح تک لڑائی ہوتی رہی یہاں تک کہ آپ کا بھیجا ہوا آدمی ہمیں بلانے کیلئے پہنچا۔ حاضرین کو آپ نے جانے کا اشارہ فرمایا وہ چلے گئے اس کے بعد آپ نے اس عورت سے پوچھا تم اس جوان کو پہچانتی ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ صرف اتنا جانتی ہوں کہ یہ کل سے میرا شوہر ہے۔ آپ نے فرمایا اب تو اچھی طرح جان لے گی مگر سچ سچ کہنا جھوٹ ہرگز نہیں بولنا۔ اس نے کہا میں وعدہ کرتی ہوں جھوٹ قطعی نہیں بولوں گی۔ آپ نے فرمایا تم فلاں کی بیٹی فلاں ہو؟ اس نے کہا ہاں حضور! میں وہی ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا تمہارا چچا زاد بھائی تھا جو تم پر عاشق تھا اور تو بھی اس سے بہت محبت کرتی تھی۔ اس نے اس بات کا بھی اقرار کیا۔ پھر آپ نے فرمایا تو ایک دن کسی ضرورت سے رات کے وقت گھر سے باہر نکلی تو اس نے تجھے پکڑ کر تجھ سے زنا کیا اور تو حاملہ ہوگئی۔ اس بات کو تو نے اپنے باپ سے چھپا رکھا۔ اس نے کہا بے شک ایسا ہی ہوا

تھا۔ آپ نے فرمایا مگر تیری ماں سارا واقعہ جانتی تھی اور جب بچہ پیدا ہونے کا وقت آیا تو رات تھی۔ تیری ماں تجھے گھر سے باہر لے گئی تجھے لڑکا پیدا ہوا تو نے اسے ایک کپڑے میں لپیٹ کر دیوار کے پیچھے ڈال دیا اتفاق سے وہاں ایک کتا پہنچ گیا جس نے اسے سونگھا تو نے اس کتے کو ایک پتھر مارا جو پتھر بچے کے سر پر لگا جس سے وہ زخمی ہو گیا۔ تیری ماں نے اپنے ازار بند سے کچھ کپڑا پھاڑ کر اس کے سر کو باندھ دیا پھر تم دونوں واپس چلی آئیں اور پھر تمہیں اس لڑکے کا کوئی پتہ نہ چلا۔ اس عورت نے جواب دیا ہاں حضور ایسا ہی ہوا تھا۔ مگر اے امیر المؤمنین! اس واقعہ کو میرے اور میری ماں کے علاوہ کوئی تیسرا نہیں جانتا تھا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا جب صبح ہوئی تو فلاں قبیلہ اس لڑکے کو اُٹھا کر لے گیا اور اس کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ جوان ہو گیا کوفہ شہر میں آیا اور اب تجھ سے شادی کر لی۔ پھر آپ نے اس نوجوان سے کہا اپنا سر کھولو۔ اس نے اپنا سر کھولا تو زخم کا اثر ظاہر تھا۔ آپ نے فرمایا یہ تمہارا لڑکا ہے۔ خدائے عزوجل نے اسے حرام چیز سے محفوظ رکھا۔ فرمایا لے اسے اپنے ساتھ لے جا۔ تو اس کی بیوی نہیں ماں ہے اور یہ تیرا شوہر نہیں بیٹا ہے۔

(شواہد النبوۃ)

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ کے محبوب عام انسانوں کی طرح نہیں ہوتے بلکہ ان کے اندر ایسا کمال ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کے سارے حالات جانتے ہیں۔ مولانا روم علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں۔

حال تو دانند یک یک موبمو زانکہ پرہستند از اسرار ہو

یعنی اللہ کے محبوب تمہارے ہر حال سے ذرہ ذرہ آگاہ ہیں اس لئے کہ ان کے اندر اسرار ربانی بھرے ہوئے ہیں۔

فرات میں طغیانی

کوفہ والوں نے آپ سے عرض کیا اے امیر المؤمنین! اس سال دریائے فرات کی طغیانی کے سبب ہماری کھیتیاں برباد ہو رہی ہیں کیا ہی اچھا ہو اگر آپ اللہ تعالیٰ سے دُعا کریں کہ دریا کا پانی کم ہو جائے۔ آپ اُٹھ کر مکان کے اندر تشریف لے گئے۔ لوگ گھر کے دروازہ پہ آپ کا انتظار کر رہے تھے کہ اچانک آپ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ

پہنے، عمامہ سر پر باندھے اور عصائے مبارک ہاتھ میں لئے ہوئے باہر تشریف لائے ایک گھوڑا منگوا کر اس پر سوار ہوئے اور فرات کی طرف روانہ ہوئے عوام وخواص میں بہت لوگ آپ کے پیچھے پیچھے چلے۔ جب آپ فرات کے کنارے پہنچے تو گھوڑے سے اُتر کر دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر اُٹھ کر عصائے مبارک ہاتھ میں لیا اور فرات کے پل پر آ گئے اس وقت حسنین کریمین رضی اللہ عنہما ان کے ساتھ تھے آپ نے عصا سے پانی کی طرف اشارہ کیا تو پانی کی سطح ایک ہاتھ کم ہوگئی۔ آپ نے فرمایا کیا اتنا کافی ہے؟ لوگوں نے کہا نہیں آپ نے پھر عصا سے پانی کی طرف اشارہ کیا پانی ایک ہاتھ اور کم ہوگیا۔ اس طرح جب تین فٹ پانی کی سطح نیچے ہوگئی تو لوگوں نے کہا یا امیر المؤمنین! بس اتنا کافی ہے۔ (شواہد النبوۃ)

سچ فرمایا مولانا روم علیہ الرحمۃ والرضوان نے کہا......

یاد او گر مونس جانت بود　　ہر دو عالم زیر فرمانت بود

یعنی خدائے تعالیٰ کی یاد اگر تمہاری جان کی ساتھی بن جائے تو دونوں عالم تمہارے تابع فرمان ہو جائیں۔

پانی کا چشمہ

جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم جنگ صفین میں مشغول تھے آپ کے ساتھیوں کو پانی کی سخت ضرورت پڑی۔ لوگوں نے بہت دوڑ دھوپ کی مگر پانی دستیاب نہ ہوا۔ آپ نے فرمایا اور آگے چلو۔ کچھ دُور چلے تو ایک گرجا نظر آیا۔ آپ نے اس گرجا میں رہنے والے سے پانی کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے کہا یہاں سے چھ میل کے فاصلے پر پانی موجود ہے۔ آپ کے ساتھیوں نے کہا اے امیر المؤمنین! آپ ہمیں اجازت دیجئے شاید ہم اپنی قوت کے ختم ہونے سے پہلے پانی تک پہنچ جائیں۔ آپ نے فرمایا اس کی حاجت نہیں۔ پھر اپنی سواری کو مغرب کی طرف موڑا اور ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہاں سے زمین کھودو۔ ابھی تھوڑی ہی زمین کھودی گئی تھی کہ نیچے سے ایک بڑا پتھر ظاہر ہوا جسے ہٹانے کیلئے کوئی ہتھیار بھی کارگر نہ ہوسکا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا یہ پتھر پانی پر واقع ہے کسی طرح اسے ہٹاؤ۔ آپ کے ساتھیوں نے بہت کوشش کی مگر اسے اپنی جگہ سے ہلا نہ سکے۔ اب شیر خدا نے اپنی آستین چڑھا کر انگلیاں اس پتھر کے نیچے رکھ کر زور لگایا تو پتھر

ہٹ گیا اور اس کے نیچے نہایت ٹھنڈا، میٹھا اور صاف پانی ظاہر ہوا جو اتنا اچھا تھا کہ پورے سفر میں اُنہوں نے ایسا پانی نہ پیا تھا۔ سب نے شکم سیر ہو کر پیا اور جتنا چاہا بھر لیا۔ پھر آپ نے اس پتھر کو اُٹھا کر چشمہ پر رکھ دیا اور فرمایا اس پر مٹی ڈال دو۔ جب راہب نے یہ دیکھا تو آپ کی خدمت میں کھڑے ہو کر نہایت ادب سے پوچھا کیا آپ پیغمبر ہیں؟ فرمایا نہیں۔ پوچھا کیا آپ فرشتۂ مقرب ہیں؟ فرمایا نہیں۔ پوچھا تو پھر آپ کون ہیں؟ فرمایا کہ میں سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا داماد اور ان کا خلیفہ ہوں۔ راہب نے کہا ہاتھ بڑھایئے تا کہ میں آپکے ہاتھ پر اسلام قبول کروں۔ آپ نے ہاتھ بڑھایا تو راہب نے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰه ۔ آپ نے راہب سے دریافت فرمایا کیا وجہ ہے کہ تم اتنی مدت سے اپنے دین پر قائم تھے اور آج تم نے اسلام قبول کر لیا۔ اس نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم! یہ گرجا اسی ہاتھ پر فتح ہونا تھا جو اس چٹان کو ہٹا کر چشمہ نکالے اور ہماری کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ اس چٹان کا ہٹانے والا یا تو پیغمبر ہوگا اور یا پیغمبر کا داماد۔ جب میں نے دیکھا کہ آپ نے اس پتھر کو ہٹا دیا تو میری مراد پوری ہوگئی اور مجھے جس چیز کا انتظار تھا وہ مل گئی۔ جب راہب سے آپ نے یہ بات سنی تو اتنا روئے کہ آپ کی داڑھی کے بال تر ہو گئے۔ پھر فرمایا سب تعریف خدائے تعالیٰ کیلئے ہے کہ میں اس کے یہاں بھولا بسرا نہیں ہوں بلکہ میرا ذکر اس کی کتابوں میں موجود ہے۔ (شواہد النبوۃ)

اللہ تعالیٰ کے محبوب بندوں کو معلوم ہوتا ہے کہ زمین میں کہاں کیا چیز ہے اور یہ درحقیقت علم غیب ہے جو سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے و طفیل میں انہیں حاصل ہوتا ہے۔

آپ کی خلافت

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد دوسرے روز حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے علاوہ مدینہ طیبہ کے سب رہنے والوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ امیر المؤمنین ہو گئے۔ حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم نے بصرہ پہنچ کر قاتلین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کا مطالبہ آپ سے شروع کیا اور بہت سے لوگ اس مطالبہ میں شریک ہو گئے۔ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ

الکریم کو اس بات کی اطلاع ملی تو آپ بھی عراق تشریف لے گئے بصرہ راستے میں ہی پڑتا تھا یہاں ''جنگ جمل'' ہوئی جس میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما شہید ہو گئے۔ ان کے علاوہ اور بھی دونوں طرف کے ہزاروں آدمی کام آئے۔ بصرہ میں آپ نے پندرہ روز قیام فرمایا اور پھر کوفہ تشریف لے گئے۔

آپکے کوفہ پہنچنے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ پر خروج کیا ان کے ساتھ شامی لشکر تھا۔ کوفہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بھی بڑھے اور صفین کے مقام پر کئی روز تک لڑائی کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر یہ جنگ ایک معاہدہ پر ختم ہوئی۔ طرفین کے لوگ اپنے اپنے مقام کو واپس ہو گئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ شام اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ واپس چلے آئے۔

جب آپ کوفہ تشریف لائے تو ایک جماعت جس کو ''خارجی'' کہا جاتا ہے آپ کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہو گئی اور آپ کی خلافت سے انکار کر کے **لَا حُکْمَ اِلَّا اللّٰہ** کا نعرہ بلند کیا یہاں تک کہ آپ سے جنگ کرنے کیلئے لشکر تیار کر لیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ان کا سر کچلنے کیلئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سرکردگی میں ایک لشکر روانہ فرمایا طرفین میں جنگ ہوئی خارجی شکست کھا کر کچھ تو علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو گئے اور کچھ بھاگ کر نہروان چلے گئے اور وہاں پہنچ کر لوٹ مار شروع کر دی۔ آخر شیر خدا رضی اللہ عنہ نے وہاں جا کر ان کو تہِ تیغ کر دیا۔ (تاریخ الخلفاء)

خارجیوں کی سازش

تین خارجی یعنی عبدالرحمٰن بن ملجم، برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکیر مکہ معظّمہ میں جمع ہوئے اور آپس میں یہ فیصلہ کیا کہ ہم تینوں آدمی تین افراد حضرت علی بن ابی طالب، معاویہ بن ابی سفیان اور عمرو بن العاص کو قتل کر دیں گے۔ چنانچہ ابن ملجم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو، برک نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اور عمرو بن بکیر نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ایک ہی معین تاریخ پر قتل کرنے کا عہد کیا اور یہ تینوں بدبخت ان شہروں کو روانہ ہو گئے جہاں جہاں ان کو اپنے اپنے نامزد کردہ شخص کو قتل کرنا تھا۔ ان میں سب سے پہلے ابن ملجم کوفہ پہنچا وہاں خارجیوں سے رابطہ قائم کر کے ان پر اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ وہ ۱۷

رمضان ۴۰ھ کی رات میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو شہید کر دیگا۔

امام سدی فرماتے ہیں کہ ابن ملجم ایک خارجیہ عورت پر عاشق ہو گیا تھا جس کا نام قطام تھا اس نے اپنا مہر تین ہزار درہم، ایک غلام ایک باندی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا قتل رکھا تھا۔ فرزوق شاعر نے اپنے اشعار میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

فَلَمْ اَرَمَهْرًا اَسَاقَهُ ذُوْسَمَاحَةٍ　　كَمَهْرِ قَطَامٍ بَيِّنٍ غَيْرِ مُعْجَم

ثَلٰثَةُ الاٰفٍ وَّ عَبْدٌ وَّ قَيْنَةٌ　　وَ ضَرْبُ عَلِيّ بِالْحُسَامِ الْمُصَمَّمْ

فَلاَ مَهْرَ اَغْلٰى مِنْ عَلِيّ وَّ اِنْ غَلاَ　　وَلاَ قَتْلَ اِلَّا قَتْلَ ابْنِ مَلْجَم

یعنی میں نے کسی سخاوت کرنے والے کو ایسا مہر دیتے نہیں دیکھا جیسا مہر کہ قطام کا مقرر ہوا۔ تین ہزار درہم، ایک غلام، ایک باندی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا قتل۔ تو آپ کے قتل سے بڑھ کر کوئی مہر نہیں ہو سکا۔ اور ابن ملجم نے جو آپ کو دھوکے سے قتل کیا تو اس سے بڑھ کر کوئی قتل نہیں ہو سکتا۔

آپ کی شہادت

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ۱۷ رمضان المبارک ۴۰ھ کو علی الصبح بیدار ہو کر اپنے بڑے صاحبزادے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا آج رات خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم)! آپ کی اُمت نے میرے ساتھ کجروی اختیار کی ہے اور سخت نزاع برپا کر دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ظالموں کے لئے دُعا کرو۔ تو میں نے اس طرح دُعا کی یا الہ العالمین! تو مجھے ان لوگوں سے بہتر لوگوں میں پہنچا دے اور میری جگہ ان لوگوں پر ایسا شخص مسلط کر دے جو بُرا ہو۔ ابھی آپ یہ بیان ہی فرما رہے تھے کہ ابن نباح مؤذن نے آواز دی اَلصَّلٰوۃُ اَلصَّلٰوۃَ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نماز پڑھانے کیلئے گھر سے چلے۔ راستے میں لوگوں کو نماز کیلئے آواز دے دے کر آپ جگاتے جاتے تھے کہ اتنے میں ابن ملجم آپ کے سامنے آ گیا اور اس نے اچانک آپ پر تلوار کا بھرپور وار کیا اور وار اتنا سخت تھا کہ آپ کی پیشانی کنپٹی تک کٹ گئی اور تلوار دماغ پر جا کر ٹھہری۔ شمشیر لگتے ہی آپ نے فرمایا فُزْتُ بِرَبِّ الْكَعْبَةِ۔ یعنی رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا۔ آپ کے زخمی ہوتے ہی چاروں

طرف سے لوگ دوڑ پڑے اور قاتل کو پکڑ لیا۔ (تاریخ الخلفاء)

آپ کی وصیت

حضرت عقبہ بن ابی صہبا کہتے ہی کہ جب بد بخت ابن ملجم نے آپ پر تلوار کا وار کیا یعنی آپ زخمی ہو گئے تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ روتے ہوئے آپ کی خدمت میں آئے۔ آپ نے انکو تسلی دی اور فرمایا بیٹے! میری چار باتوں کے ساتھ چار باتیں یاد رکھنا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا وہ کیا ہیں فرمایئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے ارشاد فرمایا۔ اوّل سب سے بڑی تونگری عقل کی توانائی ہے۔ دوسرے بیوقوفی سے زیادہ کوئی مفلسی اور تنگدستی نہیں۔ تیسرے غرور گھمنڈ سب سے سخت وحشت ہے۔ چوتھے سب سے عظیم خلق کرم ہے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ دوسری چار باتیں بھی بیان فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اوّل احمق کی محبت سے بچو۔ اس لئے کہ نفع پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے لیکن نقصان پہنچ جاتا ہے۔ دوسرے جھوٹے سے پرہیز کرو۔ اس لئے کہ وہ دُور کو نزدیک اور نزدیک کو دُور کر دیتا ہے۔ تیسرے بخیل سے دُور رہو۔ اس لئے کہ وہ تم سے ان چیزوں کو چھڑا دے گا جن کی تم کو حاجت ہے۔ چوتھے فاجر سے کنارہ کش رہو۔ اس لئے کہ وہ تمہیں تھوڑی سی چیز کے بدلے میں فروخت کر ڈالے گا۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سخت زخمی ہونے کے باوجود جمعہ و ہفتہ تک بقید حیات رہے لیکن اتوار کی رات میں آپ کی روح بارگاہ قدس میں پرواز کر گئی اور یہ بھی روایت ہے کہ ۱۹ رمضان جمعہ کی شب میں آپ زخمی ہوئے اور ۲۱ رمضان شب یکشنبہ ۴۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

چار برس آٹھ ماہ نو دن اپنے اُمور خلافت کو انجام دیا اور تریسٹھ سال کی عمر میں آپ کا وصال ہوا۔ حضرت امام حسن، حضرت امام حسین اور حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم نے آپ کو غسل دیا اور آپ کی نماز جنازہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ آپ کے دفن سے فارغ ہونے کے بعد امیر المؤمنین کے قاتل عبدالرحمٰن بن ملجم کو حضرت امام حسن

رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا پھر اس کے ہاتھ پیر کاٹ کر ایک ٹوکرے میں ڈال دیا اور اس میں آگ لگا دی جس سے اس کی لاش جل کر راکھ ہوگئی۔

آپ کا مزار

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو رات کے وقت دفن کیا گیا اور ایک مصلحت سے آپ کا مزار لوگوں پر ظاہر نہیں کیا گیا اس لئے وہ کہاں ہے؟ اس میں اقوال مختلف ہیں۔ ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں کہ آپ کی قبر شریف کو اس لئے نہیں ظاہر کیا گیا تھا کہ خارجی بدبخت کہیں اس کی بھی بے حرمتی نہ کریں۔ شریک کہتے ہیں کہ آپ کے فرزند حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے آپ کے جسم مبارک کو دارالامارۃ کوفہ سے مدینہ طیبہ کی طرف منتقل کر دیا تھا۔ مبرد نے محمد بن حبیب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ایک قبر سے دوسری قبر میں منتقل کی جانے والی پہلی نعش حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی تھی اور ابن عساکر سعید بن عبدالعزیز سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم شہید ہوگئے تو آپ کے جسم مبارک کو مدینہ منورہ لے جانے لگے تاکہ وہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوئے مبارک میں دفن کریں۔ نعش ایک اونٹ پر رکھی ہوئی تھی رات کا وقت تھا وہ اونٹ راستہ میں کسی طرف کو بھاگ گیا اور اس کا پتہ نہیں چلا اسی لئے اہل عراق کہتے ہیں کہ آپ بادلوں میں تشریف فرما ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تلاش و جستجو کے بعد وہ اونٹ سرزمین طے میں مل گیا اور آپ کے جسم مبارک کو اسی سرزمین میں دفن کر دیا گیا۔ (تاریخ الخلفاء، ص ۱۲۰)

آپ کے اقوال زرّیں

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے بہت سے اقوال ہیں جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں ان میں سے چند آپ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ علم مال سے بہتر ہے۔ علم تیری حفاظت کرتا ہے اور تو مال کی۔ علم حاکم ہے اور مال محکوم۔ مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے اور علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔

۲۔ عالم وہی شخص ہے جو علم پر عمل کرے اور اپنے عمل کو علم کے مطابق بنائے۔

۳۔ حلال کی خواہش اسی شخص میں پیدا ہوتی ہے جو حرام کمائی چھوڑنے کی مکمل کوشش کرتا

ہے۔

۴- تقدیر بہت گہرا سمندر ہے اس میں غوطہ نہ لگاؤ۔

۵- خوش اخلاقی بہترین دوست ہے اور ادب بہترین میراث ہے۔

۶- جاہلوں کی دوستی سے بچو کہ بہت سے عقلمندوں کو اُنہوں نے تباہ کر دیا ہے۔

۷- اپنا راز کسی پر ظاہر نہ کرو کہ ہر خیر خواہ کیلئے کوئی خیر خواہ ہوتا ہے۔

۸- انصاف والے کو چاہئے کہ جو اپنے لئے پسند کرے وہی دوسروں کیلئے بھی پسند کرے۔

وصلی اللّٰہ علٰی نبی الکریم و علٰی آلہٖ واصحابہٖ و خلفائہٖ اجمعین

برحمتك یا ارحم الراحمین

علماء، خطباء، واعظین، مقررین کے لئے بے مثال تحفہ
پورے سال کے خطبات جمعہ سے بے نیاز کر دینے والی کتاب

مقبول انوار خطابت

مصنف
پیر محمد مقبول احمد سروری

• فضائل اہلبیت از قرآن کریم • فضائل اہلبیت از حدیث پاک • فلسفہ شہادت دو خطبات • قافلہ کی واپسی
• شان ولایت • نور عظیم • اعلیٰ حضرت • حیات اولیاء • ثبوت میلاد • میلاد شریف • ولادت رسولؐ • خلیفۃ اللہ الاعظم

• اچھی نسبت • سرکار غوث اعظم • وسیلہ • برکات تبرکات • صراط مستقیم • توحید کی دلیل ناطق
• سراپا معجزہ • شان صحابہؓ • حضرت بلالؓ • اولیت صدیق اکبرؓ • خلیل الٰہی • محسن رسول

• تفسیر آیت اسریٰ • فلسفہ معراج النبیؐ • مسجد اقصیٰ تک • اقصیٰ سے آگے • محدث اعظم پاکستان • شب برات کی برکات
• حضرت امام اعظم • فضائل ماہ رمضان • ماہ صیام کی برکات • فضائل مخدومہ کونین • غزوہ بدر • مولائے کائنات

جلد ششم
مخدومہ کائنات حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کی سوانح طیبہ جس سے علماء محققین اور واعظین و مقررین بیک وقت مستفید ہو سکتے ہیں فصاحت و بلاغت اور مستند حوالہ جات سے مزین خوبصورت تحفہ

حضرت مولائے کائنات سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی سوانح طیبہ
علماء و خطباء کے لیے یکساں مفید لاجواب کتاب

شبیر برادرز